قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

۳۵ پینتیسواں وعظ مسمی بہ

حرمات الحدود

منجملہ ارشادات حکیم الامت حضرت مرشدی و مولائی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

حسب فرمائش جناب حاجی عبد الرحمٰن صاحب زمیندار رنگون (برہما)

بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۳ ہجری

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک النشر والمطابع تھانہ بھون کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمی بہ

حرمات الحدود

این	کہاں ہوا	جامع مسجد مچھلی شہر ضلع جونپور
متی	کب ہوا	۸ شعبان ۴۳ھ بعد نماز جمعہ
کم	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ
کیف	کیونکر ہوا	کھڑے ہو کر
لم	کیوں ہوا	بعض مخلصین نے کہا تھا کہ احکام کے حدود ہمکو معلوم نہیں
ما	کیا مضمون تھا	حدود احکام کا بیان تھا کہ ہر چیز کیلئے ایک حد معین ہے
من انتفع	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو زیادہ مفید تھا
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریبًا ۶۰۰
الاشتات	متفرقات	×

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة ج واتقوا
الله ربکم ج لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة
وتلك حدود الله ط ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه ط لا تدری لعل الله
یحدث بعد ذلك امرا ۔ اسوقت جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اسکے خاص
حصہ سے مجھے مقصود کو مستنبط کرنا ہے اس مقصود کی تعیین عنقریب ہو جائیگی اسکا ضروری
اور مہتم بالشان ہونا بھی معلوم ہو جائیگا جس مضمون کو میں نے اسوقت اختیار کیا ہے اسکا مجھکو یہاں
آنے سے پہلے خیال نہ تھا بلکہ یہاں آکر بھی از خود ذہن میں نہیں آیا میرے یہاں آنے کے بعد
جب بیان کا تذکرہ ہوا تو میں سوچتا تھا کہ کیا بیان کروں کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیان ہمیشہ موافق
موقع و مصلحت ہو کیفما اتفق کسی مضمون کے بیان کر دینے کی عادت نہیں ہے اس لئے
مجھکو پریشانی تھی کہ اتفاقاً آج رات کو بعض احباب سے حفاظت حدود احکام کے متعلق
تذکرہ ہوا انھوں نے یہ کہا تھا کہ ہمکو مسائل و احکام تو کتابوں سے معلوم ہو جاتے ہیں مگر احکام کے
حدود معلوم نہیں ہوتیں اسلئے بعض دفعہ سخت خلجان ہوتا ہے اس کے ساتھ انھوں نے
یہ درخواست بھی کی تھی کہ اگر کوئی رسالہ اس مبحث پر لکھدیا جائے جسمیں ضروری احکام کی حدود
بیان کر دیے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ اسوقت میں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ احکام تو بہت
ہیں جزئیات کا احصار بہت مشکل ہے اگر کوئی رسالہ لکھا گیا تو اسمیں خاص خاص جزئیات
ہی سے بحث ہوگی اور ان کی تعیین بھی مجھے خود کرنا پڑیگی اس صورت میں ممکن ہے کہ بعض وہ جزئیات
رہجائیں جنکی حدود معلوم ہونیکی آپ کو ضرورت ہے تو وہ رسالہ بھی ناکافی ہوگا اسکی سہل صورت
یہ ہے کہ آپ حضرات کو جن جزئیات کے حدود معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے آپ انکو
سوال کی صورت میں لکھکر بھیجتے رہا کریں میں اسکا جواب لکھدیا کرونگا اسی طرح بعض اور احباب سے
کہا جائے کہ انکو جو مسائل ایسے پیش آئیں جنکی حدود انکو معلوم نہوں وہ بھی انکو قلمبند کرکے سوال کی
صورت میں تھانہ بھون بھیجدیا کریں کچھ عرصہ میں ان جزئیات کا کافی ذخیرہ جمع ہو جائیگا پھر اسکو رسالہ
کی صورت میں جمع کر دیا جائیگا اس رائے کو سب نے پسند کیا اور سوالات بھیجنے کا وعدہ کیا یہ تذکرہ تو ہو چکا لیکن
میرے خیال میں اسی وقت یہ بات آئی کہ یہ مضمون واقعی بہت ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ

آج کل مسلمانوں کی علمی اور عملی کوتاہیوں کا زیادہ تر سبب یہی ہے کہ ہم حدود کی رعایت نہیں کرتے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو اس مضمون کی طرف رغبت بھی ہے اور وہ حدود معلوم کرنے کے منتظر ہیں اسلئے مناسب یہ ہے کہ مختصر طور پر اسی کا بیان آج کے وعظ میں ہو جائے مختصر اسلئے کہا کہ یہ بیان اسوقت کلی ہوگا جزئی نہ ہوگا کیونکہ جزئیات کا احصاء ہو نہیں سکتا بالخصوص ایک جلسہ میں لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ ما لا یدرک کله لا یترک کله جس چیز کو پورا حاصل نہ کیا جا سکے اسکو بالکل چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں جب یہ مضمون ضروری ہے تو جتنا ایک جلسہ میں مجھسے بیان ہو سکتا ہے مجھے بیان کر دینا چاہئے باقی تکمیل خود احباب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ واقعات وجزئیات حادثہ سے سوال کرینگے تو اور بھی ذخیرہ جمع ہو جائیگا ورنہ یہ بیان ہی ضبط ہو کر اس بحث میں کام دیگا۔ بس ہر چند کہ یہ بیان مختصر ہوگا لیکن پھر بھی انشاء اللہ کافی ہو جائیگا قواعد کلیہ پر تنبیہ ہو جانے سے بھی کسی درجہ میں کفایت ہو جائیگی ورنہ احصاء تو کتب بینی سے اور صحبت اہل اللہ سے اور جزئیات میں غور کرنے سے ہوگا۔

اسوقت ہماری حالت یہ ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اسمیں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جسکو برا سمجھتے ہیں اسکو چھوڑتے چلے جاتے ہیں بس ہمارے ذہن میں یہ دو کلیے جمع ہوئے ہیں کہ نیک کام میں جتنا بڑھ سکیں بڑھنا چاہئے اور برے کام کو جتنا چھوڑ سکیں چھوڑنا چاہئے ہمارے نزدیک نہ نیک کام کے کرنے کی کوئی حد ہے نہ برے کام کے چھوڑنے کی مثلاً ہمنے یہ سمجھ لیا کہ خرچ کرنا اچھا کام ہے تو اب اسمیں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اسکی فکر ہے کہ اہل و عیال کو اس سے پریشانی لاحق ہوگی نہ اسکا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہو جائیں گے اور زمین جائداد قرضہ میں نیلام ہو جائیگی ہمارے نزدیک صرف رنڈی بھڑووں ہی میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے اسکے سوا اور کسی موقعہ میں خرچ کرنا گناہ ہی نہیں چنانچہ تفاخر کی نیت سے خرچ کرنے کو گناہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ حدیث میں اسکی صاف ممانعت ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المتبارئین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانیوالوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آج کل شادیوں کے موقعہ پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اسمیں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ تحقیق کیجاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی

شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اسکی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں اُس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہو تو کم از کم اسکی برابر تو ہو۔ تاکہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے۔ یہی طعام المتباریین ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے بھی اسکی پروا نہیں کرتے اور اور بے تکلف ہر دعوت کو قبول کر لیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اسکا خیال ہوتا ہی کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔ رہا قرض وغیرہ اسکے لئے تو ہندی مثل مشہور ہے کہ چڑھ جا بیٹے سولی پر خدا بھلی کریگا۔ بیدھڑک قرض کر لیتے ہیں اور یہ سوچ لیا ہے کہ اولاد بعد میں خود ادا کر دیگی ہمیں اسکی فکر کی ضرورت نہیں۔ صاحبو اگر آپکے باپ دادا بھی یہی سمجھ لیتے تو آج آپکو انکی متروکہ جائدادیں یہ گلچھرے اڑانے کا موقعہ نہ ملتا نہ آپکو اس ناموری کا وسوسہ آتا ساری جائداد اُن کے قرضہ میں نیلام ہوگئی ہوتی پس افسوس ہی کہ آپ کے باپ دادا نے تو اپنا خون پسینہ ایک کر کے یہ جائداد آپ کی راحت و آسایش کیلئے چھوڑی تھی اور آپ ایسے ظالم نکلے کہ آپکو اپنے اہل وعیال کی راحت کا ذرا خیال نہیں کہ وہ آپکے بعد کیسے پریشاں ہونگے جبکہ ساری زمین و جائداد قرضہ میں نیلام ہو جائیگی کیا اہل وعیال کا آپ پر کچھ بھی حق نہیں۔ حدیث میں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے ایک بار تشریف لیگئے وہ سخت بیمار تھے کہ اپنی زندگی سے مایوس تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے مال میں خدا کیلئے وصیت کرنا چاہتا ہوں کیا سارے مال کی وصیت کر دوں آپ نے فرمایا نہیں کچھ اپنے اہل وعیال کے واسطے بھی تو چھوڑو انھوں نے نصف مال کی وصیت کا قصد کیا آپ نے اس سے بھی منع کیا پھر انھوں نے تہائی مال کی وصیت کرنا چاہی آپ نے تہائی کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا تہائی بھی بہت ہے پھر فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل وعیال کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو خالی ہاتھ چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے ہاتھ کو تکتے پھریں۔ دیکھئے آپ نے اللہ کے واسطے بھی اس طرح وصیت کرنے سے منع فرمایا جس سے اہل وعیال کو تنگی پیش آئے جب نیک کاموں میں خرچ کر کے بھی اہل وعیال کو تنگ کرنا جائز نہیں تو تفاخر اور ناموری

مین خرچ کرکے انکو پریشان کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے مگر ہم لوگوں کو اس کا مطلق خیال
نہیں بیدھڑک خرچ کرتے ہیں قرض پر قرض چڑہائے چلے جاتے ہیں اور سارا بوجھ اولاد پر
ڈال جاتے ہیں کہ بعض دفعہ اُن کے پاس رہنے کو مکان بھی نہیں رہتا انا للہ وانا الیہ
راجعون۔ ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ میں ایک رئیس نے بڑی بڑھیا دعوت کی تھی
جسمیں ہزاروں آدمیوں کو مدعو کیا اور بھنگیوں چماروں کو بھی پلاؤ زردہ کھلایا تھا حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نے انکو حکیمانہ طور پر نصیحت کی کہ شیخ صاحب آپنے اپنی ہمت سے
بھی زیادہ کام کیا ظاہر میں تو یہ تعریف تھی مگر حقیقت میں اُن کی حماقت ظاہر کی تھی کہ تمنے
اسراف سے کام لیا۔ اپنی رقم برباد کی اور پھر یہ فرمایا کہ لیکن اسکا افسوس ہے کہ آپ نے اس رقم
کی عوض وہ چیز خریدی ہے کہ اگر کبھی ضرورت ہو تو کانی کوڑی کو بھی نہیں بک سکتی یعنی نام
اور شہرت اور یہ بھی لوگوں کا خیال ہی ہے کہ بڑھیا دعوت سے تعریف ہوتی ہے صرف
دو تین دن کچھ تذکرہ رہتا ہے اسکے بعد کوئی نام بھی نہیں لیتا بلکہ بعض دفعہ تو شروع میں
بھی تعریف نہیں ہوتی کیونکہ آج کل لوگوں میں حسد کا مرض بہت ہے تعریف کون کرتا ہے
بلکہ مذمت کے درپے رہتے ہیں ایک شخص ہزاروں لاکھوں روپیہ پانی پھیر کر دعوت کرتا
ہے اور کھانیوالوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذراسی بات میں کسر رہگئی انھوں نے اُسکو زبان
پر لانا شروع کیا اسکا نام بھی کوئی نہیں لیتا کہ اس بیچارہ نے کتنی رقم خرچ کی ذرا کسی مہمان
کو حقہ ملنے میں دیر ہوگئی ہو یا پان کچھ دیر تک نہ ملا ہو بس وہ اسی کا رونا روتے رہتے ہیں
تعریف کبھی نہیں کرتے۔ ایک بزرگ سے میں نے حکایت سُنی ہے کہ ایک بنئے نے اپنی بیٹی
کی شادی میں بڑی زور کی دعوت کی تھی علاوہ انواع واقسام کے کھانوں کے اُس نے ہر
باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی تقسیم کی تھی جب بارات رخصت ہوئی تو بنئے کو خیال ہوا کہ
آج ضرور سب باراتی میری تعریف کرتے جائیں گے راستہ میں چلکر سُننا چاہئے کیا کیا
تعریفیں ہوتی ہیں چنانچہ وہ بارات کے راستہ میں جاکر چھپکر بیٹھ گیا بس یہ مقصود ہوتا ہے
اسراف اور فضول خرچی سے کہ چند باتیں سُنکر جی خوش کریں ؎ آدمی فربہ شود از راہ گوش
مگر افسوس ان لوگوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا چنانچہ بہلیاں گذرنا شروع ہوئیں تو وہاں

سناٹا تھا کسی نے بھی بنئے کی تعریف نہ کی اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ نرے نمک حرام ہیں میں نے تو اتنا خرچ کیا اور یہ ایک دو بات بھی میری تعریف میں نہیں کہتے خیر خدا خدا کرکے ایک بہلی سے کچھ آواز آئی ایک گاڑیبان دوسرے گاڑیبان سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے بڑی زور کی شادی کی کہ کھانا تو کھلایا ہی تھا ایک ایک اشرفی بھی دی تو وہ دوسرا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا ـــــ کے یہاں اشرفیوں کے صندوق بھرے پڑے ہیں دو دو ہی بانٹ دیتا تو اسکے گھر میں کیا کمی آجاتی ـــــ نے ایک ہی اشرفی دی لیجئے یہ تعریف ہوئی لالہ جی کو بھی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی کہ ایک تو میں نے روپیہ خرچ کیا اور یہ گاڑیبان بھی میری بیٹی کو سنگوانے لگا۔ غرض اتنا خرچ کرنے پر بھی لوگوں نے عیب ہی نکالا اور کچھ نہ سہی یہی عیب نکالدیا کہ اس سے زیادہ کیوں نہ کیا۔ اور واقعی یہ عیب تو ایسا ہے کہ ہر شخص میں نکل سکتا ہے کہ اتنا ہی کیوں کیا اس سے زیادہ کیوں نہ کیا کیونکہ زیادہ کی کہیں حد ہی نہیں۔ پس لوگوں کا محض گمان ہی گمان ہے کہ ان فضول خرچیوں سے ہمارا نام ہوتا ہے۔ چند خوشامدیوں کی باتوں سے وہ سبکو ایسا ہی سمجھتے ہیں تحقیق کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ تعریف کرنیوالے کتنے ہیں اور عیب نکالنے والے کتنے۔ پھر اگر تعریف ہوئی بھی تو تمکو کیا ملگیا۔ تعریف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ہوا ہے جو منہ سے نکلتی ہے اور بس اسکے لئے روپیہ برباد کرنا سخت حماقت ہے خصوصًا ایسے لوگوں کو کھلانا جو وقت پر کام بھی نہ آویں کیونکہ باراتوں میں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں جنکی صورت سے بھی آپ آشنا نہیں ہوتے اور پہلے تو کیا آشنا ہوتے بارات آنے کے بعد بھی آپ کو خبر نہیں ہوتی کہ کون کون آیا ہے اُن میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وقت پر آپ سے آنکھیں چرالیں گے مگر باوجود ان سب باتوں کے آج کل مسلمانوں کا روپیہ اس حماقت میں بہت برباد ہو رہا ہے پھر افسوس یہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے انکو اسکا وہم بھی نہیں ہوتا کہ تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے حالانکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جسکا گناہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ تفاخر کا منشا کبر ہے کہ ہمارا نام ہوگا ہم بڑے آدمی سمجھے جائیں گے اور کبر ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں تمام گناہوں کی جڑ یہی تکبر ہے مولانا فرماتے ہیں ـــ

۵ علت ابلیس انا خیر بُدست　　ایں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

حدیث مسلم میں ہے لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پروا نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا ہ اور اسمیں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف کا منشا تفاخر ہے اور تفاخر کا منشا کبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔ شیطان کے مردود ہونے کا سبب یہی تھا کہ اس نے اپنے کو آدم علیہ السلام سے افضل سمجھا اسلئے باوجود حکم خداوندی کے سجدہ آدم سے انکار کیا۔ یہ تو خرچ کرنے میں ہماری حالت ہے اسکے مقابل بعض لوگوں نے کفایت شعاری کا سبق پڑھا ہے انھوں نے کہیں سے یہ سنلیا تھا کہ کفایت شعاری اچھی چیز ہے بس اب وہ ایسے کفایت شعار بنے کہ بالکل ہی ہاتھ روک لیا۔ بیوی بچوں کو تنگ رکھتے ہیں ضروریات میں خرچ نہیں کرتے دین کے کاموں میں بھی خرچ نہ کرنیکے لئے بہانے ڈھونڈھتے ہیں پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں یہ بھی حد سے تجاوز ہے شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو جب خدا دے تو خود بھی آرام سے رہے اور اہل وعیال کو بھی آرام سے رکھے مگر ہمارے کاموں کے کوئی اصول نہیں ہم جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اسکے ہر درجہ کو اور ہر موقعہ کو اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے خرچ کرنا مطلقاً اچھا نہیں بلکہ اچھا بھی ہے اور برا بھی اسی طرح خرچ نہ کرنا مطلقاً برا نہیں بلکہ برا بھی ہے اور اچھا بھی اب یہ سمجھنا کہ کس موقعہ پر خرچ کرنا اچھا ہے اور کس موقعہ پر اچھا نہیں اور کتنا خرچ کرنا چاہئے کتنا نہ چاہئے یہی رعایت حدود ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا ہ نہ اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پوری طرح کھول دو پھر تم نشانہ ملامت ہوجاؤ گے (یعنی بخل کی صورت میں) اور مفلس کنگال ہوجاؤ گے (اسراف کی صورت میں) دوسری جگہ فرماتے ہیں والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان

بین ذلک قواماً ○ اور (وہ نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں
اور نہ تنگی کرتے ہیں اور انکا خرچ کرنا اسکے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم
ہو گیا کہ نہ انفاق مطلقاً محمود ہے نہ اقتار بلکہ دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جسکی تفصیل
فقہاء کے کلام میں ملتی ہے فضول خرچی یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کیا جائے اسمیں صرف
رنڈی بھڑووں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ تفاخر اور ناموری کیلئے خرچ کرنا بھی معصیت
کی فرد ہے اسی طرح مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف
میں داخل ہے اسی طرح طاعات ضروریہ میں بھی استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جسکا انجام
اخیر میں بےصبری اور حرص و بدنیتی ہو یہ بھی اسراف ہے کیونکہ حرص و بدنیتی اور بےصبری یہ امور
معصیت ہیں اور اسکا سبب ہوا استطاعت سے زیادہ صرف کرنا۔ اور مفضی الی المعصیت
بھی معصیت ہوتا ہے لہذا یہ انفاق معصیت ہوا۔ خلاصہ یہ کہ معصیت میں خرچ کرنا تو مطلقاً
اسراف ہے اور طاعات و مباحات میں استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے خوب سمجھ لو۔
اور اقتار کی حقیقت یہ ہے کہ طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نکیا جائے یا حکم شرعی سے کم ادا کیا جائے
اسی طرح مستحبات و مباحات میں اتنی تنگی کیجائے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو تکلیف ہو
یہ بھی ناجائز ہے حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خستہ حالی
کے ساتھ آیا۔ آپ کو انکی حالت دیکھکر رنج ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو خوشحال آدمی ہے تو
آپنے فرمایا لیُرٰ اثر النعمۃ علیک (او کما قال) یعنی خدا کی نعمت کا اثر تمھارے اوپر ظاہر ہونا
چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباحات میں اتنی تنگی کرنا جس سے دوسروں کو یہ گمان ہو کہ اسکے پاس
کچھ نہیں بیچارہ پر فاقے گذرتے ہونگے ناجائز ہے کیونکہ اسمیں نعمت الٰہی کی ناشکری ہے۔ نیز خواہ مخواہ
اپنے کو بلا وجہ نظروں میں ذلیل کرنا ہے اور جو کوئی ذلیل بھی نہ سمجھے تو اسکا دل دکھے گا بلا وجہ
مسلمانوں کا دل دکھانا بھی برا ہے۔ صاحبو اس تفصیل سے آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شریعت نے
جو ہر کام کی حدود مقرر کی ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ راحت کیساتھ زندگی بسر کریں تکلیف
نہ برداشت کریں اسلئے اتنا خرچ کرنیکی بھی ممانعت ہے جسکا انجام کلفت ہو۔ اور اتنی کفایت
شعاری کی بھی ممانعت ہے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو تکلیف ہو۔ افسوس اب بھی لوگ

شریعت کی قدر نہیں کرتے۔ غرض خرچ کی بھی ایک حد ہے اور کفایت شعاری کی بھی ایک حد ہے۔ ان حدود سے باہر قدم رکھنا ہمیشہ موجب کلفت ہے اور گناہ ہوا وہ الگ۔ یہ تو خرچ کے متعلق ہماری حالت تھی اب دوسری باتوں کو بھی دیکھ لیجئے اگر کسی نے بولنے کو اچھا سمجھا ہے تو اسکے بولنے کی کوئی حد نہیں جب باتیں کرنے پر آویں گے تو گھنٹوں بولتے چلے جاوینگے نہ غیبت کی پرواہ ہے نہ شکایت کی نہ اسکا خیال ہے کہ ہمارے منہ سے بعض باتیں بے تحقیق نکل رہی ہیں نہ اسکا خیال ہے کہ بعض باتوں میں ہم خود اپنی مدح کر رہے ہیں اگر ترک کلام کو اختیار کیا تو بس گم صم بنے بیٹھے ہیں اگر کسی سے بات بھی کرینگے تو ادھوری اسکی پرواہ ہی نہیں کہ بات گول مول رہی جاتی ہے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔ اگر کسی نے کھانے کو اچھا سمجھا تو وہ ہر وقت کھانے ہی کے فکر میں ہے۔ لذائذ اور عمدہ غذاؤں میں منہمک ہے اسکی پرواہ نہیں کہ یہ حلال ذریعے سے حاصل ہوا یا حرام طریقہ سے بس جو آیا کھانے سے کام ہے کوئی دو وقت کھاتا ہے تو یہ حضرت چار وقت پر بھی بس نہیں کرتے چاہے ہضم ہو یا نہ ہو انکا کلا ہر وقت چلنا چاہئے اور اگر تقلیل غذا کو اچھا سمجھا تو اسمیں حد سے بڑھ گئے دو وقت کی جگہ ایک ہی وقت کھانے لگے چاہے دماغ خشک ہو جائے بدن میں ضعف ہو جائے۔ مگر یہ ایک وقت سے زیادہ کھانا جانتے ہی نہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ لوگوں کی برائی کرتے ہیں جو اعتدال کی ساتھ دو وقت کھانا کھاتے ہیں۔ جب بیٹھیں گے کم کھانے کے فضائل بیان کرینگے جسمیں در پردہ اپنی تعریف مقصود ہوگی بس ہمارا یہ حال ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی | چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

غرض ہمارے کسی کام کی بھی حد مقرر نہیں جو کام ہے حد سے باہر ہے صاحبو نماز سے بہتر کیا چیز ہے اگر حدود نہوں تو اسکی کوئی حد نہونی چاہئے تھی بس یہ حکم دیدیا جاتا کہ جتنی چاہو نماز پڑھتے رہو اور جب چاہو پڑھلو۔ حالانکہ ایسا نہیں چنانچہ طلوع فجر کے بعد سے فرض ادا ہونے تک دو سنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے اور فجر و عصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع و غروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع و غروب و استواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کے عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت

مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھلو عصر کی مغرب کے وقت اسی طرح روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اسکے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھلو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جنمیں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اسکے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانیکا خاص دن مقرر ہے منٰی میں آنیکا خاص دن معین ہے۔ ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہو سکتا اگر یہ حدود نہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے۔ اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گو ان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے اسلئے ان سبکو اشہر حج کہا جاتا ہے غور کیجئے ان اعمال سے بڑھکر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کیلئے حدود ہیں اسی طرح معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ وہی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں۔ بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کیوجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع وشرا کیلئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا احکام کو ذکر فرما کر اکثر موقعہ پر تلک حدود اللہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ حدود ہی ہیں۔ چنانچہ روزہ کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے تلک حدود اللہ فلا تقربوھا طلاق کے مسائل کے بعد فرمایا ہے۔ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا گویا تمام شریعت میں حدود ہی حدود ہیں انکو مہمل سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے۔ مگر آج کل ہمیں ابتلاء عام ہو رہا ہے لوگ عام طور پر کاموں میں حدود کی رعایت نہیں کرتے اسلئے ضرورت ہے کہ اس مبحث پر قدرے گفتگو کیجائے اور احکام کی حدود سے لوگوں کو مطلع کیا جائے چنانچہ اس آیت میں بھی جسکو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے حق تعالیٰ نے بعض احکام بیان فرما کر تلک حدود اللہ فرمایا ہے

مجھے اس آیت میں اخیر کا حصہ مقصود ہے پہلا حصہ مقصود نہیں شاید آپ کو پوری آیت سنکر تعجب ہوا ہوگا کہ طلاق کے ذکر کو اس مقام سے کیا مناسبت مگر میں نے پوری آیت کو تبرکاً پڑھ دیا ہے مقصود اخیر کا حصہ ہے کیونکہ اسمیں رعایت حدود کی تاکید مخصوص طور پر مذکور ہے جو دوسرے مقام پر نہیں حق تعالیٰ نے اس جگہ اول طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں اسکے بعد ارشاد ہے تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہٗ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ظلم اخروی تو ظاہر ہے کہ تعدی حدود سے گناہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ آخرت میں بہت سخت ہی تو یہ شخص اپنے ہاتھوں مصیبت آخرت کو خرید تا ہے مگر تعدی حدود میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہی کہ ان حدود کے مقرر کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ راحت سے زندگی بسر کریں تو ان سے تعدی کرنے میں دنیوی پریشانی بھی ضرور لاحق ہوتی ہے لہذا اسمیں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے آگے فرماتے ہیں لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراًo تم نہیں جانتے ممکن ہی کہ حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ یہ حکمت ہی ان حدود کی جو طلاق کے متعلق اس جگہ ذکر کئے گئے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جو اس مقام میں خاص طور پر مذکور ہے دوسرے مقام پر مذکور نہیں لا تدری میں خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں خطاب امت کو ہے جیسے یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء میں اول ندا حضورؐ کو ہے اور آگے طلقتم صیغہ جمع کا ہے جس کے مخاطب سب ہیں اور نکتہ اسمیں یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ امت اور نبی میں ایسا تعلق ہے کہ نبی کو ندا کرنا گویا امت کو ندا کرنا ہے اسی طرح لا تدری میں گو خطاب بظاہر حضورؐ کو ہے لیکن واقع میں یہ خطاب عام ہے اور اسمیں بھی وہی نکتہ ہے کہ نبی اور امت میں ایسا تعلق ہی کہ نبی کو خطاب کرنا گویا امت کو خطاب کرنا ہی الغرض لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراًo میں ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے اور گو حق تعالیٰ کے ذمہ حکمت کا بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہیں اور حق تعالیٰ میں حاکم و محکوم کا علاقہ ہے برابری کا علاقہ نہیں اور حکمت بیان کرنا دوستوں اور بھائیوں میں مناسب

ہوتا ہے کیونکہ وہاں حکومت نہیں ہے پس دوستوں اور بھائیوں سے جب کوئی کام لینا ہو وہاں احکام کی حکمت بتلانا ضروری ہے لیکن حکام وقت اپنے احکام میں حکمتیں نہیں بیان کیا کرتے وہ اپنی حکومت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمکو حکمتیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس جو نہ مانے گا مجرم ہوگا۔ اور سزا بھگتے گا۔ یہی قاعدہ پر حق تعالی کے ذمہ بھی حکمتیں بیان کرنا نہیں ہے۔ لیکن اُن کی رحمت نہایت درجہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ سامعین کی اصلاح ہو ہی جاوے۔ کیونکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو بدون حکمت کے دل سے احکام کو نہ مانیں گے اسلئے کہیں کہیں انھوں نے احکام کی حکمت بھی بیان کردی ہے مگر بعض جگہ نہیں بھی بیان کی تاکہ سامعین کو حکمت معلوم کرنیکی عادت نہو جاوے اور کسی جگہ حکمت نامعلوم ہوتی ہے جسکو ہر شخص نہ سمجھ سکے گا اور عادت پڑ گئی ہے حکمت سنکر عمل کرنے کی تو وہ عمل بھی نکریگا اور گنہگار ہوگا اسلئے خدا تعالی نے نہ تو ہر جگہ حکمت بیان کی نہ یہ کہ کہیں بھی ذکر نہو۔ اب پوری آیت کی تفسیر سنئے اُس سے اس حکمت کی حقیقت واضح ہو جائیگی۔ حق تعالی فرماتے ہیں یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ جب تم عورتونکو طلاق دینے لگو تو انکو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو۔ سب کے نزدیک حسب روایت لعدتھن کے معنی فی قبل عدتھن ہیں پھر قُبُل کے معنی میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک عدت حیض سے شمار ہوتی ہے تو اُنکے نزدیک قُبُل کے معنی استقبال و آمد کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی طہر میں طلاق دو۔ اور شافعیہ کے نزدیک عدت طہر سے ہے اُن کے نزدیک قُبُل کے معنی ابتداء کے ہیں یعنی زمانہ عدت کے شروع میں طلاق دو اسکا حاصل بھی وہی ہوا کہ طلاق طہر میں ہونی چاہئے لیکن جس طہر میں طلاق دیجائے گی حنفیہ کے نزدیک وہ عدت میں شمار نہوگا بلکہ عدت حیض سے شمار ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار ہوگا۔ کتب اصول میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں اسوقت میں اُنکو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ آگے فرماتے ہیں واحصوا العدۃ یعنی طلاق دینے کے بعد تم عدت کو یاد رکھو واتقوا اللہ ربکم اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو تمہارا رب ہے یعنی طلاق کے متعلق جو خدا کے

احکام ہیں اُن کے خلاف نکرو - مثلاً یہ کہ حدیث میں تین طلاق دفعۃً دینے کی ممانعت ہے، تو ایسا نکرو اور حیض میں طلاق مت دو وغیرہ وغیرہ اور ایک حکم آگے مذکور ہے لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ ط یعنی عدت میں اُن مطلقہ عورتوں کو اُن کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو - اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بیحیائی کریں تو اور بات ہے مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں اس صورت میں سزا کیلئے گھر سے نکالی جاویں - یا بقول بعض علماء کے وہ زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو اُن کو نکالدینا اور باپ کے گھر بھیجدینا جائز ہے تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ ط یہ سب خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود ہیں اور جو شخص حدود خداوندی سے تجاوز کریگا (مثلاً تین طلاقیں دفعۃً دیدیں یا طلاق کے بعد عورت کو گھر سے نکالدیا) تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا - (یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں بھی بہتر ہے طلاق مغلظہ نہ دینی چاہئے فرماتے ہیں) لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ط اے طلاق دینے والے تجھکو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردیں - مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی طلاق میں اسکا تدارک تو ہو سکے گا - مفسرین نے لا تدری الخ کی توجیہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک طلاق دینی چاہئے تین نہ دینی چاہئیں اور ایک توجیہ یہ ہے کہ تین دفعۃً مت دو - اگر تین ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہئے ایکدم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اسکی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تمکو کیا معلوم ہے کہ اسکے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح و منافع کی رعایت ہے اور تین دفعۃً دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہو سکتا - آج کل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اسکا منشاء جہل بالاحکام ہے اور بعض جانتے ہیں

کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر وہ تین اسواسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مر ہی رہیگی
صاحبو نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے
کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کیلئے
تین طلاق دیتے ہیں کہ اسکو رجعت کی امید کیوں دلائی اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق
کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدلجاوے اور اسکا رکھنا منظور نہیں اسلئے تین ہی دیدیتے ہیں
ان کی حالت بہت افسوسناک ہے کہ خدا نے انکو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں
لیتے ان سے کوئی پوچھے کہ اگر بعد میں تمھاری رای بدلگئی اور اسکو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اسکی
گنجائش رکھنے میں تمھارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو
اسکے تمام پہلوؤں کی رعایت کرے خصوصاً طلاق اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اسمیں گنجائش رکھنا
اور سمجھکر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً
ناگواری پیش آگئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے جب
دل میں اسکی محبت ہے تو جدائی میں کلفت ہوگی اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام
کا بھی اندیشہ ہے بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہو چکی ہے
تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوای حسرت
وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مردسے اون کی تربیت
اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اسی کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ
ہمدردی ہوگی باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہوگی بلکہ اسکو اپنا دشمن سمجھینگے
کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکالدیا بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں
ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی خاندان میں بدنام ہو جاتا ہے کہ اسکو کون لڑکی دے
یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا زندگی
اور لوگوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جسمیں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھر
تباہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہوسکتا تجربہ کر لیا جائے ان واقعات
کی بنا پر شریعت نے طلاق کیلئے بہت حدود مقرر کی ہیں اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو

جہانتک ٹال سکو ٹالو دوسری تدبیروں سے کام لو طلاق مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے
ابغض المباحات عند اللہ الطلاق (اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا
مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی ۱۲ جامع)
نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی
بعض وبما انفقوا من اموالہم فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ
مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر (قدرتی) فضیلت
دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال (عورتوں پر) خرچ کئے ہیں (انہیں بتلادیا گیا
کہ عورتیں تو تمہارے قبضہ میں ہیں ان کی اصلاح کچھ مشکل نہیں طلاق کی کیا ضرورت ہے اول
تو خدا نے تمکو قدرتی طور پر عورتوں کا حاکم بنایا ہے دوسرے تم ان پر مالی احسانات کرتے ہو)
تو جو عورتیں نیک اور لائق ہیں وہ تو (مردوں کے ان فضائل واحسانات ہی کی وجہ سے
ان کی) اطاعت کرتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت توفیق الٰہی (اسکی آبرو
اور مال کی) نگہداشت کرتی ہیں۔ (خلاصہ یہ کہ اگر تم دو باتوں کی رعایت کرو تو شائستہ
اور نیک عورتیں تو فوراً تمہاری تابعدار ہو جائیں گی ایک یہ کہ تم حاکم بنکر رہو برابری اور غلامی
کے ساتھ نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ابتدا میں عورتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا ہے یا انکی
غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر وہ ساری عمر اسی برتاؤ کی منتظر رہتی ہیں لہذا تمکو اول ہی سے ایسا
برتاؤ کرنا چاہیئے جیسا کہ حاکم محکوم سے کرتا ہے دوسرے تم ان کی ساتھ مالی احسانات کرو
مثلاً مہر کی ادائیگی میں جلدی کرو۔ نفقہ اور کپڑے میں تنگی نکرو۔ ان کی دلداری اور دلجوئی
کا خیال رکھو اس برتاؤ کی خاصیت ہے کہ شریفوں کے دل کو مسخر کرلیتا ہے ہاں اگر کوئی کمبخت
ہی بدطینت عورت ہو وہ ممکن ہے کہ اس برتاؤ سے مسخر نہو اسکے لئے آگے دوسری تدبیر بتلاتے
ہیں کہ اگر کوئی عورت بد دماغ ہی ہو تو اسکو بھی طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت اور تدبیر
سے کام لو۔ والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن
اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تمکو (قرائن سے) ان کی بددماغی کا احتمال (قوی) ہو محض
گمان اور خیال ہی نہو) تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (اگر اس سے نہ مانیں تو) انکو

خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی اُن کے پاس مت لیٹو اسکا بھی عورت پر بہت اثر ہوتا ہے) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) اُنکو (اعتدال سے) مارو (حدیث میں اسکی تفسیر آئی ہے ضرباً غیر مبرح کہ ایسا مارو جس سے ہڈی پر صدمہ نہ پہونچے خون نہ نکلے سبحان اللہ کیسی حدود ہیں) فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ط پھر اگر وہ تمھاری اطاعت کرنے لگیں تو انپر (زیادتی کرنے کیلئے) بہانہ (اور موقعہ) مت ڈھونڈو۔ ان اللہ کان علیاً کبیرا ط کیونکہ بلا شبہ اللہ تعالی بڑی رفعت و عظمت والے ہیں۔ یہ عجیب مراقبہ تبلایا گیا ہے یعنی اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈ ھوگے تو یہ سمجھ لو کہ تمھارے اوپر بھی ایک حاکم ہے وہ کون خدا تعالی۔ اُن کے حقوق اور علم و قدرت سب سے زیادہ ہیں اگر وہ بھی تمھارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگیں اور تمکو مجرم بنانیکے لئے تو بہانے ڈھونڈھنے کی بھی ضرورت نہیں واقعی جرائم بے انتہا ہیں تو تمھارا کہاں پتہ رہے بس تمکو اپنے محکوموں کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیئے جو حق تعالی تمھارے ساتھ کرتے ہیں کہ باوجود تمھاری نافرمانی کے توبہ و استغفار کے بعد سب معاف کر دیتے ہیں۔ اور پچھلے گناہوں کا کچھ اثر نہیں رکھتے نیز چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو ویسے ہی معاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ وضو اور نماز اور جماعت وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اگر اس سے بھی کسی عورت کو تنبیہ نہ ہو تو اسکے لئے عجیب بات بیان فرماتے ہیں۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ج اسمیں خطاب زوجین کو نہیں ہے بلکہ اوپر والے آدمیوں کو خطاب ہے کہ اگر قرائن سے تمکو اُن دونوں میاں بی بی میں (ایسی) کشاکش کا اندیشہ ہو (جسکو وہ باہم نہ سلجھا سکیں) تو تم لوگ ایک ایسا آدمی جو تصفیہ کرنیکی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی ایسا ہی عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اُس کشاکش کے رفع کرنیکے لئے ان کے پاس) بھیجو۔ (کہ وہ جاکر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو اسکو سمجھا دیں اور اگر دونوں کا کچھ قصور ہو دونوں کو سمجھا دیں) دیکھئے یہ کیسی اچھی ترکیب ہے کہ جب تک زوجین اپنے معاملہ کو خود سلجھا سکیں اسوقت تک خود سلجھانیکی کوشش کریں اور جب ان سے نہ سلجھ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کیونکہ اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے پنچ کی ضرورت

ہوئی۔ آگے حق تعالیٰ اُن پنچوں کی بابت ارشاد فرماتے ہیں ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما ط اسمیں اپنی اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ کے سلجھنے میں امداد کرینگے مگر اسکے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگر اُن دونوں پنچوں کو سچے دل سے اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُن میاں بی بی میں اتفاق پیدا کردیں گے (بشرطیکہ وہ اُن دونوں کی رائے پر عمل بھی کریں) ان اللہ کان علیما خبیرا ۃ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔ یعنی جسطریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اُسکو وہ خوب جانتے ہیں پس جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق اُن کے قلب میں القا فرمادینگے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے طلاق سے بچنے کی کتنی عمدہ ترکیبیں بتلائی ہیں اگر لوگ ان طریقوں سے کام لیں تو انشاء اللہ کبھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے اور اگر بدون طلاق کے چارہ ہی نہ رہے تو اُسکے لئے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دو اس سے عورت کا ناز ٹوٹ جائیگا اور اگر اسمیں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ سنور جائیگی شریعت نے نہ تو طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو طلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھٹا کرتا۔ اپنے غصہ کا بخار اس نہ نکال سکتا۔ اسلئے غصہ نکال لینے کی اجازت دی کہ ضرورت کے وقت طلاق دے سکتے ہو۔ مگر حدود کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کیگئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے لا یحل لاحد ان یہجر اخاہ فوق ثلثۃ ایام کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے۔ دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپسمیں کیسا ہی رنج و تکرار ہو بولنا مت چھوڑو حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دیدیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کیلئے کبھی ایسا حکم دیا ہے مگر ایسی ہمت سالکین کو ہوسکتی ہے۔ ہر شخص کو نہیں ہوسکتی۔ رنج و تکرار کا طبعی تقاضا ہے کہ جس سے تکرار ہو اسکی ساتھ کلام نہ کیا جاوے۔ چونکہ احکام شرعیہ عام ہیں اسلئے اس جذبہ کی رعایت کر کے حکم دیا گیا کہ غصہ و رنج میں بول چال چھوڑ دینا جائز ہے مگر اسکی حدود مقرر ہیں کہ تین دن سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اسمیں نکتہ یہ ہے کہ رنج و تکرار کے بعد فوراً سلام و کلام کرنے میں غصہ کو گھونٹنا پڑیگا۔ اور غصہ کے گھونٹنے سے کینہ اور

جقدر پیدا ہو جاتا ہے اسلئے غصہ نکال لینے کی اجازت دیگئی۔ کہ بول چال ترک کر سکتے ہو۔ مشائخ کو بھی ایسے موقعہ پر غصہ گھونٹنے کا حکم نہ دینا چاہیئے بلکہ موقع اور حالت کو دیکھکر حکم دینا چاہیئے اسی لئے شیخ بننا بڑا مشکل ہے غرض عام حکم یہ ہے کہ تین دن تک نہ بولنا جائز ہے۔ اور تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر گذر جانے سے غصہ کم ہو جاتا ہے پھر رات گذر جانے سے اگلے دن طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے بوجھ نہیں رہتا پھر تیسرے دن غصہ بالکل جاتا رہتا ہے اب شریعت ایسے وقت میں دونوں کو ملانا چاہتی ہے کہ ان کو دو پہر غصہ کا بوجھ نہیں رہا تجربہ ہے کہ تین دن کے بعد غصہ اور رنج کا طبعی اثر باقی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی سوچ سوچ کر خود ہی رنج و غصہ کو تازہ کرنا چاہے تو اور بات ہے مگر یہ رنج و غصہ کسبی ہوگا طبعی اثر نہ ہوگا۔ شریعت نے طبعی تقاضہ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ اختیار سے باہر ہے کسبی امور کی رعایت نہیں کی کیونکہ اُن کا وجود و عدم اپنے اختیار میں ہے مگر یہ حدود اس رنج و غصہ میں ہیں جو دنیوی سبب سے ہو اور اگر دینی سبب سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام و سلام جائز ہے جب تک کہ وہ سبب باقی ہے مثلاً نعوذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا یا کوئی شخص فاسق و فاجر و زنا کار ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اسمیں بھی یہ شرط ہے کہ قطع تعلق کا منشا محض وہ معصیت ہی ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو کرتے ہیں کسی دنیوی سبب سے مثلاً ان کو کسی سے کوئی رنج پہونچا ہو اسلئے بول چال قطع کرتے ہیں۔ مگر انکا نفس مولوی ہے وہ اسکے لئے دینی سبب نکال لیتا ہے کہ میں نے تو اس شخص سے قطع تعلق اسلئے کیا ہے کہ یہ فاسق ہے یا مبتدع ہے اس مرض میں آج کل مولوی زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ دنیا کو دین بنا لیتے ہیں مگر اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر خدا کے یہاں یہ مکر نہیں اور حیلے نہیں چل سکتے۔

ع خلق راگیرم کہ بفریبی تمام ✣ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست ✣ با خدا تدبیر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن ✣ رایت اخلاص و صدق افراشتن
گر گہے اللہ دروغ میزنی ✣ از برائے مسکہ دوغے میزنی

ان مولویوں سے تو عوام ہی اچھے کہ وہ گناہ کر کے اسکو گناہ تو سمجھتے ہیں۔ مگر یہ لوگ تو گناہ

کرتے ہیں اور تاویل کرکے اُسکو دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اُنپر گناہ معصیت کا بھی ہے
اور تحریف دین کا بھی ایک صاحب مجھسے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے
سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا میں نے کہا کہ تم اُسوقت اپنے کو اُس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔
اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل
تو سمجھتا ہوں میں نے کہا بس یہی کسر ہے اس حالت میں تم اُس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر و عجب سے
بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نمازی اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتا ہے اور
تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہو اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک
گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق و فجور کے ہم دوسرے کو اپنے
سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک
شخص کو ہم اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اُس سے بغض بھی رکھیں۔ اُسپر ہمکو غصہ بھی آوے
اُس سے ترک تعلق بھی کریں اسکا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا
نہیں اُسوقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اولاد پر غصہ کرنیکے وقت
اُن کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے اُن سے قطع تعلق بھی چند روز کیلئے کر لیا جاتا ہے مگر
اُسکی ساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشأ
ہوتی ہے جسکی علامت یہ ہے کہ اسکی بدحالی پر رنج و افسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اسکی کوشش
ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اسکی اصلاح ہو جائے۔ نیز آپ غصہ کے وقت اولاد کو حقیر و ذلیل
بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اُنکو حقیر و ذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے بس اگر یہی
شان عاصی پر غصہ کرنیکی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس
جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نمازی اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اسکو افضل کیسے سمجھیں جب
خدا نے ہمکو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم
دیکھکر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں
روپئے دئے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا۔ تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو
مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال

ہی کے اندر آگیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھکو یہ نعمتیں دیدی ہیں اسمیں میرا کچھ کمال نہیں اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر و عجب پیدا نہو گا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نمازی اور بے نمازی کو نمازی سمجھنے لگیں اگر میں یہ کہتا اسوقت یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کرلے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اسپر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھسے سلب کرکے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جسکے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھیگا۔ اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھیگا۔ بلکہ ان کی حالت پر اسکو رحم آئیگا یہ تو سرسری جواب ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں تو آپ یہ سمجھ لیں کہ اسوقت گو میں بظاہر دوسرے سے اچھی حالت میں ہوں مگر ممکن ہے کہ خاتمہ کے اعتبار سے وہ اچھا ہو۔ نیز باعتبار حال کے بھی ممکن ہے کہ دوسرے میں کوئی ایسی عمدہ خصلت ہو جو تم میں نہو مثلاً اسکو خدا اور رسول سے تعلق محبت زیادہ ہو اسمیں تواضع آپ سے زیادہ ہو کیونکہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان میں ظاہری اعمال کم ہوتے ہیں مگر وقت پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت بہت زیادہ ہے۔ تیسرے جو شخص اپنے نفس کے واسطے بغض نہ کریگا بلکہ بغض فی اللہ کریگا وہ محض خدا کا حکم سمجھکر کریگا اسکو یہ وسوسہ و خیال ہرگز پیش نہ آوینگے کہ میں افضل ہوں یا دوسرا اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ عادل اپنے بیٹے کو کسی بات پر سزا دے کہ اسکے دس بید ماری جاویں اسوقت شاہی حکم سے بھنگی شاہزادہ کے بید مارتا ہے مگر کیا اسکے دل میں یہ وسوسہ بھی آسکتا ہی کہ میں شاہزادہ سے افضل ہوں ہرگز نہیں وہ جو کچھ کریگا محض حکم کی وجہ سے کریگا۔ اور اپنی فضیلت کا اُسے وہم بھی نہو گا۔ یہی حال بغض فی اللہ میں ہوتا ہے بغض فی اللہ والا دوسرے سے بغض بھی کرتا ہے اُس سے قطع تعلق اور ترک سلام و کلام بھی کرتا ہے مگر پھر دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتا ہی۔ جیسے بھنگی بید مارتے ہوئے بھی شاہزادہ ہی کو اپنے

بڑا اور افضل سمجھتا ہے۔ الغرض شریعت میں جذبات کی رعایت کا بہت خیال ہے مگر اسکی ساتھ حدود کی رعایت کا بھی بے انتہا اہتمام ہے پس جذبات کی رعایت کرکے تو طلاق کی اجازت دیگئی۔ مگر مصالح کا لحاظ کرکے اولاً رجعی کی اجازت دی کیونکہ تین طلاقیں دینا فیصلہ کرنا ہے اور غصہ میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے حکم یہی ہے لا یقضین قاضٍ بین اثنین وھو غضبان۔ غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ غصہ میں ہر پہلو پر نظر نہیں ہوتی اسوقت ایک ہی پہلو پر نظر ہوتی ہے تو اسوقت کا فیصلہ صحیح نہوگا اسمیں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت وحسرت ہوگی چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دیکر بعد میں لوگ پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے یہاں تک کہ بعض جگہہ شوہر کا کفر ثابت کرنیکی کوشش کیگئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نکل گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہونگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی لئے شریعت نے تین طلاق ایکدم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔ اسی طرح غصہ میں بچوں کو مارنا بھی نہ چاہئے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میانجی اسمیں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑکر آئے بیوی سے اور فیض عام پہونچا سب لڑکوں کو بس ذراسی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سبکو۔ بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اسکی باز پرس ہوگی۔ یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہوگی اور اول تو ایسے میانجی آج کل کہاں ہیں جو بچوں سے معافی چاہیں ہم نے صرف ایک ملا کو دیکھا ہے گنگوہ میں وہ شاگردوں سے معافی چاہا کرتے تھے جسکی صورت یہ تھی کہ اپنی کمر کھولکر بیٹھ جاتے اور جس لڑکے کو مارتے اسکے ہاتھ میں قمچی دیدیتے کہ بھائی تو میرے مارلے بعضے شریر لڑکے ایسے بھی ہوتے تھے کہ وہ میانجی کے سڑاسڑ قمچیاں لگاتے تھے اس سے بھی خرابی ہوئی کہ لڑکے گستاخ ہوگئے بچوں سے معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ایسا برتاؤ کیا جاوے کہ وہ خوش ہو جاویں نہ تو زبانی کافی ہے

اور نہ اُن سے انتقام لینے کو کہا جاوے بس آئندہ ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کر دینا چاہیے
انکو بلاؤ جمکا رو چوٹ کی جگہ سہلاؤ دودھ پلاؤ روپیہ دیدو بس اسطرح وہ خوش ہو جاوینگے تو
آپکے اوپر سے حق العبد اتر جائیگا لیکن اسکے بعد توبہ و استغفار کی بھی ضرورت ہے کیونکہ
حق العباد میں حق اللہ بھی فوت ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا کا حکم ہے لا تظلموا آپنے اس حکم
کی مخالفت کی یہ خدا کا حق فوت ہوا بس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو غصہ اترنے کے بعد سزا دیجائے
اُسوقت جو کچھ سزا دیجائیگی وہ خطا کے موافق ہوگی حد سے تجاوز نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غصہ
فرو ہو جانیکے بعد مارنے میں مزہ نہیں آویگا مگر جیسا کہ غصہ میں مارنے سے اُسوقت مزہ آتا ہے
ایسا ہی کبھی بعد میں بدمزگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ سارا مزہ بھول جائینگے۔ مثلاً آنکھ پھوٹ گئی
کان پھٹ گیا کہیں بے موقع ضرب آگئی تو میاں جی کھنچے کھنچے پھریں گے اور ایسا نہ بھی ہوا تو آخر
کی بدمزگی تو ضرور ہوگی غرض غصہ کے وقت کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسلیے ایکدم سے تین
طلاقیں ہرگز نہ دینی چاہئیں کیونکہ وہ بھی نکاح کا فیصلہ ہے اگر طلاق دو تو ایک۔ دو۔ پھر دیکھو
عورت کو ندامت ہے یا طلاق سے خوش ہے۔ بعض دفعہ عورت طلاق سے خوش بھی ہوا کرتی ہے
کہ اچھا ہوا قصہ ختم ہوا جسکا سبب کبھی تو شوہر کی زیادتی ہوتی ہے کبھی خود عورت کی شرارت
ہوتی ہے کبھی دونوں طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھکر خوش ہوتی ہے کہ اچھا ہوا روز
روز کا فضیحتا جاتا رہا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی
عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبائع میں مناسبت اور موافقت نہونیکی وجہ سے
اجتماع نہیں ہو سکتا۔ جیسے سوڈا اور ٹاٹری دونوں فی نفسہ عمدہ چیزیں ہیں۔ الگ الگ رہیں
تو کچھ آفت برپا نہیں ہوتی۔ مگر جہاں اجتماع ہوا شور برپا ہوا۔ ایسے ہی بعضے میاں بی بی الگ
الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے اسمیں علاوہ اختلاف
مزاج کے ایک اور نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف
وما تناکر منہا اختلف روحیں ایک مجمع لشکر کی صورت میں تھیں بس جنمیں باہم اسوقت تعارف
اور آشنائی ہو چکی ہے انمیں یہاں بھی اُلفت و محبت ہو جاتی ہے اور جنمیں اسی وقت تعارف
نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے یہ مضمون محض منقول ہو مشاہد نہیں۔ مگر مخبر صادق

کی خبر ہے اسلئے ماننا پڑیگا ہاں بعضے عارفین نے جنکو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہد الست
میں جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا فلاں بائیں طرف تھا فلاں
سامنے تھا نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہو کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوئی تھیں بعضی ارواح
کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا۔ ان میں تو دنیا میں بھی جانبین سے الفت ہو جاتی ہے
بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہر ایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی ان میں ہر ایک کو دوسرے
سے نفرت ہوتی ہے اور بعض اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسری کے پشت کی طرف
سو ان میں ایک کی طرف سے میلان ہوتا ہے دوسری کے طرف سے نفرت۔ اس سے معلوم
ہوا کہ مزاج کا فطری اتحاد و اختلاف اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے جن دو شخصوں کے مزاج
میں اختلاف ہوتا ہے ان میں اتحاد نہیں ہو سکتا۔ یہ قدرتی امر ہے بعض دفعہ ایک شخص نیک
ہوتا ہے مگر طبیعت کو اسکی طرف میلان نہیں ہوتا بعضے فاسق فاجر ہوتے ہیں مگر ان کی صورت
دیکھکر طبیعت کو کشش ہوتی ہے پس اسپر تعجب نہ کیا جاوے کہ دو نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج
کیوں ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا
روایات میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس ۲ منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی
اسکو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے پانچ منٹ پہلے
ہی طلاق دی گئی ہو شوہر کو اسوقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اسوقت تو طلاق
لیکر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی نہیں بس میرا دل خوش ہو جاویگا تمہارا
حرج ہی کیا ہے ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کر لینا اس نے طلاق
دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر میں بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہو گئی تو بعض عورتیں بوجہ
ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کر سکتیں اسلئے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اسی لئے نکاح
میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے جب مزاج میں موافقت
نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اور اس نکاح سے زیادہ اس تناسب کے اشتراط میں پیری
مریدی کا تعلق ہے اسکا تو سارا مدار مناسبت ہی پر ہے۔ بدون مناسبت کے کچھ نفع ہی نہیں
ہوتا۔ اسلئے طالب کو چاہئے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک

قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہو جائے اسوقت بیعت کی درخواست کرے مگر آج کل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور اُن کی کوئی بات پسند آگئی بس لگے اُن سے بیعت ہونے۔ پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی تو بس اُن سے بیعت ہو گئے۔ اِن کی بعینہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھلجاتی ہے پھر کسی شیخ کو اسپر اعتماد نہیں ہوتا۔ ہرجائی مشہور ہو جاتا ہے ؎

وفاداری مدار از بلبلان چشم — کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند

بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اگر غور و فکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھکر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے بعض لوگ کسی کے مریدوں کی تعریف پر اُس سے بیعت ہو جاتے ہیں یہ بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ مرید تو اپنے شیخ کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔ اپنی دہی کو کوئی کھٹی نہیں کہا کرتا۔ تمکو خود چکھنا چاہیے۔ اور اپنے ذوق سے اُسکے کھٹے میٹھے ہونیکا فیصلہ کرنا چاہیے۔ نیز آج کل ایک یہ بھی آفت ہے کہ بعض دنیادار مشائخ نے اپنے کچھ چھوڑ رکھے ہیں جنکو یہی کام سپرد کیا گیا ہے کہ لوگوں کو بہلا پھسلا کر لاؤ اور ہم سے بیعت کراؤ۔ اور بعض دیندار مشائخ کے یہاں بھی ایسے لوگ موجود ہیں مگر اُن مشائخ کو اسکی اطلاع نہیں ورنہ وہ ہرگز اسکو گوارا نہ کر سکتے اسلئے محض مریدوں کی تعریف و ثنا پر کسی سے بیعت ہونا بڑی غلطی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ وہ تعلق ہے جسپر ایمان کی تکمیل کا فیصلہ موقوف ہے۔ اگر کسی محقق عارف کے ہاتھ میں ہو پہنچے تب تو ایمان مکمل ہو جائیگا اور اگر کسی جاہل کے ہاتھ میں پھنس گئے تو وہ تمھارا پہلا سرمایہ ایمان بھی غارت کر دیگا۔ افسوس اتنا بڑا تعلق مگر لوگوں کو اُس کے اصول کی خبر نہیں اسمیں بڑی اصل دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ شیخ عارف محقق ہو دوسرے تمکو اُس سے مناسبت تامہ ہو اگر شیخ عارف کامل ہو مگر تمکو اُس سے مناسبت نہو تو خاک نفع نہو گا اسلئے بیعت سے پہلے مناسبت کا دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور اسکو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے اور اس صورت میں مشائخ طریق کے ساتھ گویا تمنے کھیل کیا جسمیں وبال کا اندیشہ ہے ؏

باہر کہ نشستی و نشد جمع دلت | وز تو نرمید صحبت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں می باش | ورنہ نکند روح عزیزان بحلت

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہوا لیکن پھر بھی تم اسی کو لگے لپٹے رہے اور دوسری کی طرف رجوع نکیا جب بھی تمنے طریق کا حق ضائع کیا غرض ایسا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ نہ اسکو چھوڑتے بن پڑتی ہے نہ الگ ہوتے۔ اسلیے مناسبت کا دیکھنا بہت ضروری ہے جسکے لئے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کیلیے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض و واجب نہیں لیکن دست بدست ہونیکے لئے اسکی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اسکے لئے تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کیلیے چھان بچھوڑ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں۔ لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے اسلیے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق و عادات صورت و سیرت کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیا و اقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے۔ مگر آج کل نکاح میں تو مناسبت و موافقت کی تحقیق و تفتیش کی کسیقدر ضرورت لوگ سمجھتے ہیں اور بیعت ہونیکے لئے اسکا مطلق اہتمام نہیں حالانکہ نکاح ایک دنیوی کام ہے اور بیعت ہونا دینی کام ہے جسپر ایمان کی تکمیل موقوف ہے دوسرے اسمیں امور محسوسہ کی تفتیش ہے اور اسمیں امور معنویہ کی اور ظاہر ہے کہ امور معنویہ کی تفتیش کیلیے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے تیسرے اسمیں ناقصات العقل سے تعلق ہے اور اسمیں کامل العقل سے تعلق ہے۔ اتنی وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے پھر بھی اسکا اہتمام نہونا جائے تعجب ہے۔ یہ مضمون استطراداً ذکر ہو گیا میں طلاق کو بیان کر رہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے پھر اگر اس سے عورت کو تنبیہ نہوئی ہو تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کیلیے اسکو ملیگا جسمیں تمام مصالح پر نظر کر سکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دیگا جسکو بہت ہی ضرورت ہوگی اسکے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونیکا اندیشہ ہو تب تو رجعت کر لو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینہ میں دے سکتے ہو۔ اگرچہ

بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہوتے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائیگی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہو سکے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا تدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا یعنی تین طلاق ایکدم سے نہ دو تمکو کیا خبر ہے شاید حق تعالیٰ بعد میں تمہاری رائے بدلدیں۔ پھر تمکو پچھتانا پڑے۔ یہ حکمت بظاہر طلاق کے متعلق ہے مگر لا تدری کا تلک حدود اللّٰہ کے بعد میں لانا اسمیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت تمام حدود کے متعلق ہے گو کہیں بے تکلف وہ حکمت مفہوم ہو جاتی ہے۔ اور کہیں ذرا غور و تامل سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اول تو ہر حکم میں اسکے مناسب جزئی مصالح اور حکمتیں بھی بہت سی ہوتی ہیں ورنہ کم از کم یہ حکمت تو جو کہ لا تدری کی مدلول ہے سبکو ہی عام ہے نمونہ کے طور پر سنئے حق تعالیٰ نے خرچ کے متعلق فرمایا ہے۔ وکان بین ذلک قواما کہ افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ اور اعتدال سے خرچ کرنا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط۔ اس حد میں بھی یہ حکمت ہے لا تدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا یعنی اسراف مت کرو شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ جسکے لئے تمکو روپیہ کی ضرورت ہونے لگے بعض دفعہ مال ہوتے ہوئے کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ روپیہ ضرورت سے زیادہ ہے مگر بعد میں دفعۃً ضرورت نکل آتی ہے کوئی بیمار ہو گیا یا کوئی مقدمہ سر پر آپڑا اسلئے سارا روپیہ برباد نکرنا چاہئے۔ کچھ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہئے ہمارے حاجی صاحبؒ باوجود بڑے کامل تارک ہونیکے فرماتے تھے کہ اہل تعلقات کو کچھ ذخیرہ مال کا نفس کے بہلانے کو اپنے پاس ضرور رکھنا چاہئے دیکھئے حکماء یہ حضرات ہیں کہ ہر شخص سے اسکی حالت کے مناسب معاملہ کرتے ہیں اور واقعی وہ شیخ اناڑی ہے جو ساری دنیا کو تارک بنانا چاہے۔ جو شخص سب مریدوں کو ایک ہی لکڑی ہانکے وہ اس حکیم کے بیٹے کے مشابہ ہے جو ایکبار اپنے باپ کے ساتھ کسی مریض کو دیکھنے گیا باپ نے

نبض دیکھکر کہا کہ شاید آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا حکیم نے آئندہ کو منع کر دیا راستہ میں لوٹتے ہوئے لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ نے نبض سے کیسے معلوم کر لیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے کہا نبض سے تو برودت و بلغم کا اثر معلوم ہوا تھا پھر یہاں نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے نظر آئے۔ اس قرینہ سے میں سمجھ گیا کہ اُس نے آج نارنگی کھائی ہے بس صاحبزادہ کے ہاتھ ایک قاعدہ کلیہ آگیا باپ تو مر گئے آپ اُن کی جگہ بیٹھے وہی مثل ہوئی ؎

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت دشتی اعمال ما صورت نادر گرفت

ایک مرتبہ کسی رئیس کے یہاں تشریف لیگئے اسکی نبض دیکھکر چارپائی کے نیچے دیکھا آپ کہتے ہیں کہ شاید آپ نے نمدہ کھایا ہے۔ اتفاقاً پلنگ کے نیچے نمدہ ہی پڑا تھا لوگ ہنسنے لگے کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لوگوں نے نکالدیا کہ جا تیری دم میں نمدہ۔ اسی طرح بعضے عطائی حکیم ہر شخص کو لسنکھیے کا تیل بتلا دیتے ہیں چاہے کسی کے موافق ہو یا نہو۔ تو جیسے یہ لوگ اناڑی طبیب ہیں ایسے ہی وہ شیخ بھی اناڑی ہے جو سبکو تارک بنانا چاہے۔ یاد رکھو فطری طور پر طبائع مختلف ہیں۔ کسی کو بدون مال کے جمعیت ہوتی ہے کسی کو مال ہی سے جمعیت ہوتی ہے اور ہر ایک کیلئے توکل کی شان جدا ہے جسکو بدون مال کے جمعیت نہو اُسکے لئے مال جمع کرنے کی ساتھ بھی توکل جمع ہو سکتا ہے اور جسکو بغیر مال کے جمعیت ہو سکے اُسکے لئے اس طرح بھی توکل صحیح ہو سکتا ہے بس توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ آئے سب خرچ کر ڈالے کچھ جمع نکرے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ توکل کی ایک صورت یہ بھی ہے وہ حکیم عطائی ہے جو سبکو تارک بناکر متوکل بنانا چاہے۔ دیکھیے حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمرؓ نے اول نہیں لی پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے کیا حضرت صدیق اکبرؓ پر کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ متوکل نہ تھے۔ نیز حضرات صحابہ میں بہت سے ایسے بھی تھے جنکے پاس ہزاروں لاکھوں روپیے جمع تھے اور یقیناً صحابہ سے بڑھکر کوئی متوکل نہیں ہو سکتا پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کیلئے مال جمع نہ کرنا

شرط ہے توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہو اسکی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرکے پھر انپر نظر نکرے تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اُسکو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اُسکو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت و معرفت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میرا سارا رزق ایکدم سے دیدیجئے الہام ہوا کیا تمکو ہمپر اعتماد نہیں انھوں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے آپ پر اعتماد کیوں نہوتا لیکن شیطان مجھسے کہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھاوےگا میں کہتا ہوں خدا دیگا کیونکہ اسکا وعدہ ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔ تو وہ کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ تمکو کل ہی کو رزق ملجاویگا۔ بس یہ وعدہ ہے کہ رزق ہمارے ذمہ ہے تو ممکن ہے کہ تین چار دن کے بعد روزی ملے جبکہ تم فاقے کرکے پریشان ہو چکوگے یہاں اگر میں خاموش ہو جاتا ہوں اگر ساری روزی مجھے ایکدم سے ملجائے تو میں اسکو ایک کوٹھری میں بند کرکے رکھدونگا پھر اگر شیطان مجھسے کہیگا کہ کل کو کہاں سے کھاویگا تو میں اشارہ کرکے بتلادونگا کہ اس کوٹھری میں سے کھاونگا پھر آگے اسکی بات نہ چل سکیگی تو دیکھیے ان بزرگ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کا کیسا علاج کیا اب یہاں سے اُن واعظوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو سارے مسلمانوں کو بے ایمان بتلاتے ہیں کہ اُن کو وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا پر بھروسہ اور یقین نہیں۔ اور اسکی تائید میں یہ دلیل بیان کیا کرتے ہیں کہ دیکھو اگر کوئی شخص ان کی دعوت کردے کہ شام کو میرے یہاں کھانا کھائیگا تو اسکی بات کا ایسا یقین ہو جاتا ہے کہ فوراً چولھا ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور گھر میں کھانا نہیں پکواتے۔ اور خدا تعالیٰ ان کی دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمھاری روزی ہمارے ذمہ ہے تو اُسپر اعتماد کرکے کوئی بھی چولھا ٹھنڈا نہیں کرتا۔ یاد رکھو یہ مضمون غلط ہے اور ہر مسلمان کو حق تعالیٰ کے ارشاد پر یقین ہے مگر پھر یہ فرق اسلیئے ہے کہ دعوت کرنیوالا تو وقت مقرر کر دیتا ہے کہ شام کو آج ہی دعوت ہے اور حق تعالیٰ نے دن یا وقت مقرر نہیں کیا۔ انکا وعدہ مطلق ہے

اسلئے ابہام سے بعضونکو پریشانی ہوتی ہے کہ نہ معلوم یہ وعدہ کب پورا ہو۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے بھی وعدہ معین ہوتا تو خدا کی قسم جو کوئی مسلمان فاسق سے فاسق بھی چولھا تیار کرتا۔ دوسری یہ کہ بعض دفعہ حق تعالیٰ کا وعدہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جو کلام میں صراحۃً مذکور نہیں ہوتی مثلاً حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جس کام کا ارادہ کروگے ہم اسکو پورا کردیں گے مگر اسکے لئے ایک شرط بھی ہے وہ یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش بھی کرو اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ ہر شخص کی روزی خدا کے ذمہ ہے یعنی بشرطیکہ تم اسکے لئے کوشش بھی کرو۔ اسلئے مسلمان کوشش کرتے ہیں اگر حق تعالیٰ کوشش سے بھی منع فرمادیتے تو کوئی شخص بھی اسباب کو اختیار نہ کرتا۔ بعض لوگوں کو اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قحط کے زمانہ میں بھوکوں مرجاتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ رزقھا میں اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا جو رزق مقدر ہے اسکا پہونچانا خدا کے ذمہ ہے اب جو لوگ بھوکوں مرجاتے ہیں اونکا رزق ہی نہ رہا تھا اسلئے وہ فاقہ سے مرگئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی فاقہ سے نہ مرتے لہذا اب کچھ اشکال نہیں۔ غرض ان بزرگ نے یہ دعا کی تھی کہ میرا سارا رزق ایکدم سے ملجائے تاکہ شیطان اگر مجھسے یہ کہے کہ کل کو کہاں سے کھاویگا تو میں اس سے کہدوں کہ اس کوٹھری میں سے کھاونگا اس سے معلوم ہوا کہ بعضے بزرگ بھی دل کے کچے ہوتے ہیں ان کو رزق جمع کرنے کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ بس سبکو تارک بنانا یہ عطائی حکیموں کا کام ہے محقق کبھی ایسا نہ کریگا۔ چند روز سے خود مجھے یہ واقعہ پیش آرہا ہے کہ مجمع میں مجھسے پانی نہیں پیا جاتا۔ بس تھوڑا سا پیا اور پیاس جاتی رہی یہ بھی طبیعت کی کمزوری ہے تقریر میں اسوقت زیادہ پانی نہیں ہوتا مگر صراحی میں ہونے سے تسلی رہتی ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے باتیں کررہے تھے اور بیباکانہ گفتگو کررہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کررہے تھے بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے پکارا کوئی ہے تو ان بزرگ صاحب نے بھی آواز دی کہ کوئی ہے بس انکا

پکارنا تھا کہ دفعۃً غیب سے ایک شیر نمودار ہوکر بادشاہ کی طرف لپکا جسکو دیکھکر بادشاہ تو بھاگا ہی تھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگے بات کیا تھی بات یہ تھی کہ انکا دل کمزور تھا تو یہ بزرگی کے منافی نہیں بزرگوں کو ضعف قلب اور اختلاج اور خفقان ہوسکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح انکو بخار وغیرہ ہوجاتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہوجاتا ہے اس سے ولایت ومعرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہورہی تھی نبوت عطا ہوچکی تھی اسکے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالدو چنانچہ ڈالدیا اور وہ ہیبتناک اژدہا بنگیا موسیٰ علیہ السلام اسکو دیکھکر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ فلما رأها تهتز كانها جان ولّى مدبرا ولم يعقب بھلا اس سے زیادہ قوت قلب کے اسباب کیا ہونگے کہ بلاواسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہوچکی تھی نبوت عطا ہوچکی تھی حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضا سے اژدہا کا خوف غالب ہوگیا اور بھاگ گئے معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا۔ بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ علما کو ایسا ہونا چاہیے یخشونه ولا یخشون احدا الا الله کہ بس خدا ہی سے ڈریں اور کسی سے نہ ڈریں ان کے نزدیک علما کو نہ شیر سے ڈرنا چاہیے نہ سانپ بچھو سے نہ توپ سے نہ بندوق سے نہ حکام سے نہ ڈاکوؤں سے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ موذی چیز سے انبیا علیہم السلام کو بھی خوف طبعی ہوتا تھا اگر یہ خوف طبعی توکل کے خلاف ہے تو کیا معاذ اللہ انبیاء کو غیر متوکل کہو گے ہرگز نہیں کس کا منہ ہے جو اپنے کو موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ متوکل بتائے مگر وہاں یہ حالت تھی کہ نبوت کے بعد ان کے دل میں فرعون سے بھی خوف تھا چنانچہ فرماتے ہیں قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغیٰ ٥ قال لا تخافا اننی معکما اسمع واریٰ موسیٰ وہارون علیہما السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو فرعون کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ ہمپر زیادتی کرنے لگے یا حد سے بڑھ جائے باوجودیکہ حق تعالیٰ کی طرف سے

ان کو صریح اور صاف حکم ہو چکا تھا اذھبا الیٰ فرعون انه طغیٰ ۝ فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی پر کمر باندھ رہا ہے مگر باینہمہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے آج کل کے بہادروں کی طرح اپنی بہادری ظاہر نہیں کی کہ ہمکو نہ قتل کا خوف ہے نہ قید خانہ کا اندیشہ ہے ہم بلا خوف وخطر اس خدمت کو انجام دینگے بلکہ انھوں نے اپنے طبعی خوف کو حق تعالیٰ سے عرض کردیا کہ ہمکو اسکی زیادتی سے ڈر لگتا ہے اور اسکا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہمکو قتل نہ کردے اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف کا ہونا نبوت وولایت کے بالکل منافی نہیں۔ ورنہ حق تعالیٰ اس خوف پر انکار فرماتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اسپر انکو ذرا ملامت نہیں کی بلکہ تسلی دیکر فرمایا کہ لا تخافا اننی معکما تم ڈرو نہیں میں تمھارے ساتھ ہوں اور دوسری جگہ ارشاد ہے نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما انتما ومن اتبعکما الغالبون ۝ کہ ہم تمکو رعب عطا کریں گے جسکی وجہ سے وہ تم تک نہ پہونچ سکیں گے اور تمکو اور تمھارے متبعین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے طبعی خوف کے ازالہ کا سامان کرلیا اسوقت فرعون کے پاس تشریف لیگئے اس سے معلوم ہوا کہ یخشونه ولا یخشون احدا الا اللہ میں خوف طبعی کی نفی نہیں بلکہ خوف عقلی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت تبلیغ احکام کے متعلق ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ احکام میں سوائے خدا کے کسی سے ایسا نہیں ڈرتے کہ وہ تبلیغ سے مانع ہو جاوے چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونه ولا یخشون احدا الا اللہ ط وکفی باللہ حسیبا ۝ وہ انبیاء ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہونچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔ اسمیں تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ کے خوف عقلی کی نفی کیگئی ہے۔ رہا یہ کہ ان کو کسی سے خوف طبعی بھی نہیں ہوتا یہ اس آیت کا مفہوم نہیں لوگ قرآن کو ادھورا پڑھتے ہیں اسلئے اشکال ہوتا ہے پورے مضمون پر نظر کرنیکے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا غرض تبلیغ احکام کے وقت بھی اسکا مطلب نہیں کہ اس وقت خوف طبعی کسی درجہ کا لاحق نہیں ہوتا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے

واقعہ سے معلوم ہورہا ہے کہ اُنکو فرعون سے طبعی خوف تھا اسی لئے انھوں نے حق تعالے سے اپنا خوف ظاہر کرکے اسکا علاج چاہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے مخلوق کا خوف عقلی انہیں ذرا نہیں ہوتا جسکے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا اپر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روکدے بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے انکو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ خشیت خداوندی سے مغلوب ہوجاتا ہے پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقاً نفی ہے اور خوف طبعی کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ اسکے غلبہ کی نفی ہے۔ اب یہ مضمون انشاء اللہ کسی نص سے متعارض نہوگا۔ اسپر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر علما کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ مخلوق کا خوف عقلی ان کو ذرا نہو اور خوف طبعی اگر ہو تو خوف خداوندی سے مغلوب ہو اسپر غالب نہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ جسجگہ علماء کے ذمہ تبلیغ فرض ہوتی ہے وہاں بیشک ان پر خوف خداوندی ہی غالب ہوتا ہے مخلوق کا خوف طبعی غالب نہیں ہوتا مگر جہاں ان پر تبلیغ فرض ہی نہو محض مستحب ہو وہاں اگر انکو مخلوق سے طبعی خوف ہو تو اسمیں کیا حرج ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ ان پر تبلیغ ہر حالت میں فرض ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علما کو تم خائف کہتے ہو وہ اس خوف کی وجہ سے کسی فرض و واجب کو ترک کر رہے ہیں یا مباح و مستحب کو۔ اگر تم انصاف سے دلائل میں غور کروگے تو تمکو معلوم ہو جائیگا کہ وہ مخلوق کے خوف سے کسی فرض و واجب کو ہرگز ترک نہیں کرتے بلکہ محض بعض مباحات یا بہت سے بہت بعض مستحبات کو ترک کر رہے ہیں سو ایسی حالت میں وہ یخشونه ولا یخشون احدًا الا اللّٰہ کے خلاف کیونکر ہوئے (بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ جن مسائل کی تبلیغ آج کل کے بہادر لوگ کر رہے ہیں علما بھی ان سکی تبلیغ کر رہے ہیں صرف عنوان کا فرق ہے۔ بہادران قوم مقابلہ اور سب و شتم کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں اور جنکو تم خائف کہتے ہو وہ تہذیب اور نرمی کے ساتھ اُن مسائل کو بیان کرتے ہیں اب صرف اسبات کا فیصلہ باقی رہا کہ مخالفین اسلام کے سامنے آیا ہمکو مقابلہ اور سب و شتم کے ساتھ احکام کو ظاہر کرنا چاہئے یا نرمی اور تہذیب کے ساتھ

سو اسکا فیصلہ خود قرآن نے کردیا ہے ۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرماکر جب فرعون کے پاس تبلیغ احکام کیلئے جانیکا حکم فرمایا تو اسکی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشیٰ اور فرعون سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا شاید اسکو نصیحت ہو جاوے یا خدا کا خوف اسکے دل میں آجاوے دیکھئے موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کون متوکل ہوگا اور فرعون سے زیادہ ظالم و سرکش کون مگر باانیہمہ یہ حکم ہو رہا ہے کہ اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کیجیئے گا صاحبو قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی مخالف پر اپنا زور اور دباؤ نہو تو وہاں مقابلہ اور سختی نافع نہیں ہوتی بلکہ اکثر مضر ہو جاتی ہے ایسے موقع میں اکثر نرمی ہی سے کچھ نفع ہو جاتا ہے ۱۲ جامع) غرض بعض لوگ فطرۃً دل کے کمزور ہوتے ہیں اور بعض قوی القلب ہوتے ہیں تو وہ شیخ اناڑی ہے جو اپنی قوت کو دیکھکر مریدونکو بھی اسی کی تعلیم دے کہ میری طرح تم بھی تارک بنجاؤ۔ اسکی وہی مثال ہوگی جو چوہے اور اونٹ کی مثال ہے کہ ایک اونٹ سے کسی چوہے کی دوستی ہو گئی تھی ایک مرتبہ دونوں ساتھ ساتھ جارہے تھے کہ راستہ میں دریا آیا اونٹ تو دریا میں گھس گیا چوہا کنارہ ہی پر رہگیا اونٹ نے چوہے سے کہا کہ تم کیوں رک گئے اسنے جواب دیا کہ مجھے ڈوبنے کا خوف ہے اونٹ نے کہا نہیں پانی زیادہ نہیں ہے صرف گھٹنوں تک ہے چوہے نے کہا حضور آپ کے گھٹنوں تک ہے کہ میرے بھی ذرا آپ اپنے گھٹنوں کو تو دیکھیں کہ کتنے اونچے ہیں جب اتنا پانی ہے تو میرا کہاں پتہ رہیگا اسی طرح جو شیخ اپنے گھٹنوں تک پانی دیکھکر چوہے مرید سے بھی کہے کہ چلے آؤ وہ بیوقوف ہے ہمارے حضرات نے ہمیشہ اسکی رعایت کی ہے کہ ہر شخص کو اسکے مناسب حال تعلیم کیجاوے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خان صاحب جو کہ اس سے پہلے بھی کئی بار کسی ظالم کی شکایت اور دعا کی درخواست لیکر آچکے تھے ایکدن پھر آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت وہ شخص برابر میرے اوپر ظلم کر رہا ہے اب تو اس نے میری زمین بالکل ہی دبالی ہے ظلم سے باز نہیں آتا۔ میں کیا کروں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی صبر کرو خدا تعالیٰ تمکو اور کہیں سے روزی دیدیں گے۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے

یہ جواب سن لیا حجرہ سے باہر تشریف لائے اور خان صاحب سے کہا کہ نہیں خان صاحب جاؤ اسکی نالش کردو ہم دعا کرینگے اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپکے نہ بیوی نہ بچے اسلئے ہر چیز سے صبر کرکے بیٹھ گئے تو آپ سبھی کو صبر کی تعلیم کرنے لگے۔ بھلا وہ بیچارہ بیوی بچوں والا آدمی اُس سے فاقہ مستی پر کیونکر صبر ہوگا۔ آپکے صبر کا انجام تو وصول الی اللہ ہے اور اسکے صبر کا انجام وصول الی السقر ہے کیونکہ وہ صبر کرکے بعض دفعہ پریشان ہوگا۔ اور جب پریشانی کے ضبط کا تحمل نہ رہیگا تو گناہ کرنے لگے گا میں کہتا ہوں کہ یہاں تک بھی غنیمت ہے اگر خدانخواستہ کسی نے ایسی حالت میں اسکو بہکا دیا تو وہ عیسائی ہوجاویگا ہم نے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ بعض لوگوں سے تنگی اور فقر پر صبر نہو سکا تو انھوں نے دین بدل دیا نعوذ باللہ من ذلک اسی طرح حضرت حاجی صاحب اکثر عوام کو صبر کی تعلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ اُن کو اختیار اسباب کا امر فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک سماۃ نے حضرت سے عرض کیا کہ میں اپنی زمین کو وقف کرنا چاہتی ہوں حضرت نے منع فرمایا کہ زمین وقف نکرو اپنی ملک ہی میں رکھو اس سے نفس کو سہارا رہتا ہے یہ مضمون حدیث میں بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص زمین کو فروخت کرے تو اس روپیہ سے جلدی کوئی زمین ہی خریدلے کیونکہ نقد میں برکت نہیں ہوتی ادہر اودہر خرچ ہوجاتا ہے اور ایک دوسری حدیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اے عائشہ تم زمین وجائداد نہ خریدنا۔ بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر وجہ تطبیق یہ ہے کہ جسکے پاس پہلے سے زمین ہو وہ تو اسکو ضائع نہ کرے کیونکہ وہ اس سبب معاش کا پہلے سے خوگر ہے اگر زمین نہ رہی پریشان ہوگا۔ اور جسکے پاس نہو وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر یہ بلا نہ خریدے کیونکہ زمین جائداد میں مشغولی زیادہ ہوتی ہے۔ سبحان اللہ ہر شخص کی حالت کی جدا گانہ رعایت ہے سبکو ایک لکڑی نہیں ہانکا گیا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نواب صاحب رئیس چھتاری کو ایک حکیمانہ خط لکھا تھا جسمیں نواب صاحب کی حالت کی بہت زیادہ

رعایت تھی تو اب صاحب کا ارادہ یہ ہوا تھا کہ ہجرت کر کے حرم شریف میں قیام فرمائیں
اول تو حضرت حاجی صاحب اکثر عازمین ہجرت کو فرمایا کرتے کہ ہندوستان میں اس
حالت سے رہنا کہ جسم وہاں ہو اور دل مکہ میں یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں ہو اور
دل ہندوستان میں اسلئے جب تک شوق کا غلبہ بجد نہو اسوقت تک ہجرت کا ارادہ نہ کریں
مگر نواب صاحب کا غلبہ شوق حضرت کو معلوم تھا اسلئے منع تو نہیں فرمایا مگر ان کو یہ لکھا کہ جب
یہاں آنے کا ارادہ کریں تو ریاست کا معقول انتظام کر کے آویں تاکہ ریاست کی طرف
سے کسی قسم کا فکر ولپر نہو۔ ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ جب ریاست کا انتظام آپ دوسروں کے
سپرد کریں تو اسکا خیال رکھا جائے کہ ملازمین کی تنخواہیں بڑی بڑی ہوں کیونکہ جب
تنخواہ معقول ہوتی ہے تو انسان رشوت اور خیانت کا قصد نہیں کرتا اور تھوڑی تنخواہ
میں اسوقت تو آپ کو کفایت معلوم ہوتی ہے مگر بعد میں ملازمین خیانت اور غبن کر کے
زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں سبحان اللہ دنیا کی سمجھ بھی انہی حضرات کو زیادہ ہے اس
خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مکہ معظمہ میں رہکر آپ ریاست سے جو کچھ صدقات وخیرات کرنا
چاہیں وہ رقم اپنے پاس نہ منگا دیں جو کچھ سخاوت کرنی ہو سب وہیں کسی کے سپرد کر دیں جب
جو آپ کی مرضی منشا کے موافق تقسیم کر دے بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی
وہاں سے انتظام نکرتے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کریم کے یہاں جایا کرتا ہے تو
اپنی ساتھ توشہ باندھکر نہیں لیجاتا۔ اسپر مجھے ایک حکایت یاد آئی روض الریاحین میں
لکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا قافلہ حجاج کے ساتھ تھا مگر اسکی ساتھ کچھ توشہ نہ تھا کسی نے
اس سے دریافت کیا کہ میاں تم کہاں جارہے ہو کہا بیت اللہ کا ارادہ ہے لوگوں نے
پوچھا کہ تمھاری ساتھ نہ کچھ توشہ ہے نہ سامان ہے آخر یوں بے سروسامان کسطرح پہونچوگے
اسپر نوجوان زاہد کو جوش ہوا اور اس نے بزبان قال یا حال یہ جواب دیا ؎

وفدت علی الکریم بغیر زاد — من الحسنات و القلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شیٔ — اذا کان الوفود علی الکریم

حاصل یہ ہے کہ میں کریم کے پاس جارہا ہوں تو یہ بڑی بیشرمی ہے کہ اپنی ساتھ توشہ

باندھکر لیجاویں۔ تو حقیقت میں اہل حال اسکو بشری سمجھتے ہیں مگر حاجی صاحب نے نواب صاحب کو لکھا کہ اگرچہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی انتظام ہندوستان سے نہ کرتے لیکن چونکہ آپ ہمیشہ سے اسباب کے عادی ہیں اسلیئے اپنی تنخواہ مقرر نہ کرنے میں آپ کو پریشانی ہوگی جس سے جمعیت قلب فوت ہو جائیگی اسلیئے اپنی تنخواہ کا انتظام تو کر لیجئے مگر اسکے علاوہ اور کوئی جھگڑا تقسیم وغیرہ کا ساتھ نہ لائیئے اور یہ لکھا کہ گویہ سخاوت ہے مگر ؎

نان دادن خود سخائے صادق است | جان دادن خود سخائے عاشق است

سبحان اللہ کیسی شان ہوتی ہے اہل اللہ کی واقعی محقق جامع اضداد ہوتا ہے۔ وہ متضاد امور کو اس طرح جمع کرتا ہے کہ غیر محقق اسکی حقیقت نہ سمجھنے کے سبب پریشان ہو کر پکار اٹھتا ہے ؎

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہ | باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

جس کسی کا یہ شعر ہے وہ محقق نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ محقق کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ وہ اضداد کو جمع کر کے دکھلاتا ہے چنانچہ حاجی صاحب نے اس خط میں ایسا کر کے دکھلا دیا کہ تدبیر بھی توکل بھی۔ حاجی صاحب کی ایک اور حکایت جمع بین الاضداد کی یاد آئی۔ ایک مرتبہ مولانا رحمۃ اللہ صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میں سلطان کے پاس جا رہا ہوں اگر آپ فرماویں تو سلطان سے آپکا تذکرہ کر دوں۔ فرمایا کیا فائدہ ہوگا بیش بریں نیست کہ میرے معتقد ہو جاویں گے پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا بس یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ مجھکو بلا لیں گے جسکی حقیقت یہ ہوگی کہ بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد ہوگا۔ سو مجھکو یہ منظور نہیں اسمیں تو حضرت نے اپنی شان استغنار کو بیان فرما دیا۔ مگر اسمیں بڑائی کا شبہ ہو سکتا تھا اسکا یہ علاج کیا کہ فرمایا لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطان بہت عادل ہیں اور روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ان سے میرے واسطے دعا کرا دیجئے گا۔ سبحان اللہ اس درخواست میں اپنے نفس کو کیسا ال دل دیا حقیقت ظاہر کر دی کہ دنیوی حوائج سے تو استغنار ظاہر کر دی اور دینی امور میں احتیاج ظاہر کی۔ عارف کے

؎ اضداد سے مراد وہ ہیں جو بظاہر اضداد ہوں نہ کہ حقیقی اضداد ۱۲ منہ

ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ دنیوی امور میں مخلوق سے مستغنی ہو اور دینی امور میں ہر ایک
کی دعا کا محتاج ہو۔ ظاہر میں استغنا، اور تواضع کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے مگر حاجی
صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔ مگر اس درخواست میں ناتجربہ کاری کا شبہ ہوتا
تھا کیونکہ سلاطین سے دعا کرانا خلاف آداب شاہی ہے اس شبہ کو یوں دور کیا کہ فرمایا لیکن
سلاطین سے دعا کرانا آداب شاہی کے خلاف ہے میں آپکو اسکی ایک ترکیب بتلاتا ہوں
وہ یہ کہ آپ ان کو میری طرف سے سلام پہونچا دیجئیگا اسکے جواب میں وہ علیہ و علیکم السلام
فرما دینگے بس دعا ہو جاویگی۔ اور یہ بات حضرت حاجی صاحب ہی کے قول سے معلوم ہوئی
کہ سلام دعا ہے اور واقعی اب معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جامع دعا ہے کیونکہ اسمیں سلامتی کی دعا ہے
جو کہ عام ہے ظاہری باطنی ہر قسم کی سلامتی کو اسمیں تمام مقاصد داخل ہیں مگر افسوس ہے کہ
آج کل لوگوں نے اس جامع دعا کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ آداب عرض وغیرہ اختیار کر لئے ہیں
ایک جگہ شہزادوں کے مجمع میں کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا ایک شیخ صاحب نے اٹھکر
پانچ جوتے مارے حجام نے کہا کہ حضور پھر کیا کہا کروں، شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت
کہا کرو۔ اسکے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا تو وہ حجام پکار کر
کہتا ہے حضرت سلامت و رحمۃ اللہ حضرت سلامت و رحمۃ اللہ لوگوں نے اسکو پھر مارنا چاہا
تو اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر سنلو پھر جو چاہے کر لینا۔ بات یہ ہے کہ میں نے آج شیخ صاحب
کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا تو وہ بڑے خفا ہوئے اور میرے پانچ جوتے مارے اور کہا کہ
حضرت سلامت کہا کرو۔ میں ڈرا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہو گئے
تو وہ تو مجھے جیتا بھی نہ چھوڑینگے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیل علیہ السلام بھی ہیں اسلئے
میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا یہ جواب سنکر شہزادے شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لیکر
رہگئے۔ سو بعض جگہ تو یہ غضب ہے کہ السلام علیکم سے ناراض ہوتے ہیں مگر غریب قوم کو لوگوں
کو بھی اتنی رعایت چاہیئے السلام علیکم تاکر نہ کہا کریں جس سے سننے والوں کو یہ شبہ ہو کہ یہ
اپنے کو ان کی برابر سمجھتے ہیں ایکبار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے
تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اسکے لہجہ سے مساوات کا دعویٰ معلوم

ہوتا تھا میں نے جواب دیدیا اسکے بعد اُس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے بُرا ماننے
وہ کیسا ہے میں نے کہا جو سلام سے بُرا مانے وہ بہت بُرا اور جو تان کر سلام کرے جس سے
مساوات کا دعویٰ ٹپکتا ہو وہ اُس سے بھی بُرا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے
اور کہنے لگے کہ اسکے عرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون بُرا مانتا ہے مگر اسکے طرز سے
لوگونکو ناگواری ہوتی ہے۔ اور فی الواقع چھوٹونکا دعویٰ مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے
بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری
کرنے لگے تو یقیناً بُرا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کا فرض ہو اسکا
بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگی۔ حدیث میں آتا ہے
کہ جنت میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو سلام فرمائیں گے یعنی اہل جنت سے فرمائیں گے السلام علیکم
ورحمۃ اللہ قرآن شریف میں ہے سلٰمٌ قولًا من رب الرحیم۔ نیز تشہد میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جاتا ہے تو ہر مسلمان روزانہ حضور
کو سلام کرتا ہے پھر یہ کیوں بُرا ہونے لگا۔ یہ تو بیچ میں کچھ جملے معترضہ آگئے تھے میں یہ کہہ رہا تھا
کہ جو شیخ سبکو تارک بنانا چاہے وہ اناڑی ہے چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے اُن بی بی
کو جائداد وقف کرنے سے منع فرمایا۔ امام سفیان ثوری رح باوجودیکہ بہت بڑے تارک تھے
حتی کہ خلیفہ ہارون رشید جو خلافت سے پہلے انکا بڑا دوست تھا خلیفہ ہو نیکے بعد انھوں
نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق
احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط اُن کے پاس آیا تو اُسکو ہاتھ سے نہیں
کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا خط میں ہارون رشید نے ان کی شکایت کی تھی کہ آپ نے
مجھسے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوری نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا
تصرف کرتے ہو قیامت میں تمسے اسکی باز پرس ہوگی اسلئے میں تمسے نہیں ملنا چاہتا مبادا
کہیں میں بھی غضب میں گرفتار ہو جاؤں۔ وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے
ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی
کرم اللہ وجہہ تشریف لائے حضرت عمر رض نے چراغ فوراً گل کر دیا حضرت علی رض نے پوچھا

کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اسمیں بیت المال کا تیل ہے ابتک
تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اسلیئے یہ تیل میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں
باتیں کرینگے اسکے لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اسلیئے میں نے چراغ گل کر دیا۔
سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آج کل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے
تو عوام تو کیا خواص بھی اُسے وہمی کہنے لگیں میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک
اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے
کمرہ میں لالٹین روشن کر دے۔ انھوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور
اگر مدرسہ کا ہو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے
حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے
کیونکہ ایسی احتیاط اُسی کے یہاں ہے ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم
بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق سے مطابق ہو۔ تو امام سفیان ثوریؒ اتنے
بڑے تو تارک تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گذر گیا جبکہ روپیہ رکھنا مضر تھا آج کل روپیہ
جمع کرنا مفید ہے کیونکہ آج کل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان
کو حرام و حلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ دنانیر نہوتے تو یہ امراء ہمکو
دستمال بنا دیتے۔ مگر مال کی بدولت یہ ہمکو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون
میں داخل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے بہت قریب ہے امام سفیان ثوری اس زمانہ کی
بابت فرما رہے ہیں کہ اسوقت مال جمع کرنا مفید ہے اس سے قیاس کر لیا جائے کہ آج کل
مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہو اُسے چاہیئے کہ احتیاط سے
خرچ کرے اسراف نہ کرے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۝ شاید کسی وقت ضرورت
ہو جاوے تو پریشان نہونا پڑے۔ اسی طرح بخل بھی نہ کرو اسکی علت بھی وہی ہے لعل اللہ
یحدث بعد ذلک امرا ۝ کیونکہ بخل سے بعض دفعہ ضرورت کے موقعہ میں بھی تنگی کیجاتی
ہے اور اتنی تنگی کے بعد پھر ندامت ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے اس موقعہ میں کیوں نہ خرچ کیا
مثلاً کسی نیک کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے جسمیں بہت کچھ ثواب ملنے کی امید ہے بخیل

آدمی ایسے موقعہ میں بھی تنگی کرتا ہے پھر بعد میں اُسے افسوس ہوتا ہے تو لعل اللہ یحدث
بعد ذلک امراہ یہاں بھی صادق ہو اب میں اسراف کے متعلق ایک بات بتلاتا ہوں
جو شاید آجتک نہ سُنی ہوگی وہ یہ کہ اسراف کی حقیقت مشہور یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا
اسراف ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ قیمتی کپڑے پہننا اور گھر کے لئے زینت
و آرائش کا سامان خریدنا اسراف میں داخل نہیں کیونکہ یہ انفاق امور محرمہ میں نہیں ہے
اور بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بلا ضرورت خرچ کرنا اسراف ہے گو مباح ہی میں صرف کیا جاوے
ان کے نزدیک زیادہ قیمتی لباس بھی اسراف میں داخل ہے کیونکہ وہ ان کے نزدیک بلا ضرورت
ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بلکہ اسراف کیلئے دو حد ہیں اور واقع میں وہ ایک ہی حد ہے
لیکن میں تفصیل کرنیکے لئے اُن کو دو قرار دیتا ہوں وہ یہ کہ اسراف کے معنی تو وہی ہیں جو
پہلے بیان کئے گئے یعنی انفاق فی المعصیت لیکن معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو
فی نفسہ معاصی ہیں جیسے زنا اور تفاخر وغیرہ ان میں خرچ کرنا تو ہر شخص کیلئے اسراف ہے اور حرام ہے
اور بعض معاصی وہ ہیں جو فی نفسہ معاصی نہیں بلکہ مفضی الی المعصیت ہونیکی وجہ سے معاصی
بنگے ایسے مواقع میں خرچ کرنا مطلقاً حرام نہیں بلکہ جسکے لئے وہ فعل سبب معصیت بنجاوے
اُسکے لئے حرام اور جسکے لئے سبب معصیت نہو اُسکے لئے جائز ہے تو اسراف کی ایک قسم ایسی
نکلی جو ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ بعض کیلئے اسراف ہو اور بعض کیلئے مباح ہے مثلاً
چار روپیہ کا حلوا کھانا یہ ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ جس شخص کے پاس روپیہ حاجت سے
زیادہ ہو اور چار روپیہ کا حلوا کھانے سے اُسپر قرض بھی نہو یا قرض ہو مگر اسکا ادا کرنا اُسے
آسان ہو اور کسی قسم کی پریشانی اُسکو نہو اسکے لئے چار روپیہ کا حلوا کھانا یا عمدہ غذائیں کھانا
جائز ہے اور جس شخص پر حلوا کھانے یا عمدہ غذائیں پکوانے سے سودی قرض ہوتا ہو
اسکے لئے یہ اسراف ہے کیونکہ اسکے حق میں یہ مفضی الی المعصیت ہے اسی طرح دو روپیے
گز کا کپڑا پہننا پہلے شخص کیلئے جائز ہے اور دوسرے کیلئے اسراف ہے اسی طرح مکان بنانا
ایک تو ضرورت کے موافق ہے یہ تو سبکو جائز ہو اور ایک ضرورت سے زیادہ ہے یہ بعض کیلئے جائز ہے
بعض کیلئے اسراف ہے جو شخص مرجع خلائق ہو کہ اُسکے یہاں مہمان بکثرت آتے ہوں

وہ لوگوں کو ٹھیرانیکے لئے اپنی حاجت سے زیادہ مکان بنادے تو جائز ہے بلکہ طاعت ہے
اور جسکے یہاں مہمانداری زیادہ نہیں ہے اُسکو ضرورت سے زیادہ مکان بنانا اسراف ہے،
ہاں اگر یہ نیت ہو کہ ایک مکان میں خود رہیں گے اور دوسرے مکانات کرایہ پر دیکر اُن سے
روپیہ وصول کرینگے اس صورت میں بھی زیادہ مکان بنانا اسراف میں داخل نہیں۔ اسی طرح
مہمان کو عمدہ کھانا کھلانا اگر اسمیں عجب وریاء و تفاخر نہو نہ احسان جتلانے کی نیت ہو نہ
اُس سے مقروض ہونیکا اندیشہ ہو محض تطییب خاطر ضیف کی نیت سے اپنی وسعت
کالحاظ کر کے عمدہ کھانے پکائے جائیں تو اس حالت میں یہ فعل اسراف نہیں اور جو شخص زیادہ
سامان کرنے سے ان بلاؤں میں مبتلا ہو جائے اُسکو زیادہ سامان کرنا حرام اور اسراف ہے
اُسکو چاہیئے کہ جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھدے اور اگر کچھ نہو تو فاقہ کرے اور مہمان کو بھی
فاقہ کی اطلاع کردے حضرت شاہ ابو المعالی رح کے پیر ایک مرتبہ ان کے گھر پر تشریف لائے
شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے اور اسدن اُن کے گھر پر فاقہ تھا اُن کی بیوی کو جب
معلوم ہوا کہ پیر صاحب تشریف لائے ہیں تو اُن کو فکر ہوئی کہ پیر صاحب کب کب تشریف
لاتے ہیں اگر آج اُن کو بھی فاقہ کرایا تو بڑی بیجا بات ہے ماما کو محلہ میں بھیجا کہ کسی سے آٹا دال
قرض لے آوے مگر غریبوں کو قرض بھی کوئی نہیں دیا کرتا کہیں سے آٹا دال نہ ملا پھر دوسری
مرتبہ بھیجا کہ پیسے ہی قرض لیجاویں تو بازار سے جنس منگالیں گے مگر کہیں سے دام بھی ادھار
نہ ملے پیر صاحب نے جو بار بار ماما کو آتے جاتے دیکھا تو کچھ کھٹکے اس سے دریافت کیا کہ تو
کس فکر میں بار بار آتی جاتی ہے اُس نے کہا حضور بات تو کہنے کی نہیں مگر مرشد سے کیا
پردہ بات یہ ہے کہ آج شاہ صاحب کے یہاں فاقہ ہے میں اس فکر میں ہوں کہ کہیں سے آٹا دال
یا پیسے ادھار لیجاویں تو آپکے لئے کھانا تیار ہو جاوے۔ مگر کہیں سے کچھ بھی نہیں ملا حضرت شیخ
کو یہ حال سنکر رنج ہوا اپنے پاس سے انھوں نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ جاؤ اس کا غلہ منگاؤ
اور کھانا تیار کرو اور جب غلہ آجاوے تو ہمارے پاس لے آنا چنانچہ غلہ لایا گیا آپ نے
ایک تعویذ لکھکر غلہ میں رکھدیا۔ اُسکی ایسی برکت ہوئی کہ غلہ کسی طرح ختم ہی نہوا اور عرصہ تک
فاقہ کی نوبت نہ آئی حضرت شاہ ابو المعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سفر سے واپس

آئے تو انھوں نے دیکھا کہ بہت دنوں سے روزانہ بلا تکلف کھانا پک رہا ہے فاقہ ہی نہیں ہوتا ان کو تعجب ہوا کہ میرے پیچھے اتنا غلہ کہاں سے آگیا آخر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب تعویذ دیگئے ہیں وہ بڑے پریشان ہوئے کیونکہ وہ فاقہ کے مشتاق تھے ان حضرات کا فاقہ اختیاری تھا اب ایسے وقت میں اگر کوئی غیر عارف ہوتا تو یوں کہتا

؎ درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہٗ — باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کیونکہ یہاں دو چیزوں میں تعارض ہو رہا ہے اگر پیر کا تعویذ غلہ سے نکالکر الگ کرتے ہیں تو اسمیں بظاہر پیر سے اپنے بڑے ہونیکا دعویٰ ہے اور اگر الگ نہیں کرتے تو اپنے مذاق توحید کے خلاف ہے مگر شاہ صاحب عارف تھے انھوں نے دونوں کو خوب جمع کیا فرمایا کہ پیر صاحب کے تعویذ کی برکت کا ہمارا سر زیادہ مستحق ہے غلہ میں رکھنے سے اسکی بے ادبی ہوتی ہے لاؤ اس تعویذ کو ہم اپنے سر سے باندھیں گے چنانچہ وہ نکالکر لایا گیا اور شاہ صاحب نے اسکو اپنے سر سے باندھ لیا دو تین روز میں غلہ ختم ہو گیا اور پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلے تھی کبھی فاقہ تھا کبھی کھانے پکتے تھے شاید کوئی منطقی یہ کہے کہ اگر شاہ صاحب کو فاقہ کا ایسا ہی شوق تھا تو اسکی ایک صورت یہ بھی تھی کہ تعویذ کو غلہ ہی میں رہنے دیتے تاکہ اسمیں بھی برکت رہتی اور خود فاقہ کر لیا کرتے تو یاد رکھو یہاں منطق نہیں چل سکتی یہ معرفت کا طریق ہے جسکا فتویٰ یہ ہے کہ موجود ہوتے ہوئے فاقہ کرنا خلاف ادب ہے۔ مگر بیماری میں فاقہ کرنا خلاف ادب نہیں گو گھر میں سب کچھ موجود ہو۔ تو دیکھئے یہ حضرات کیسے بے تکلف تھے کہ ان کی تعلیم یافتہ ماما نے پیر کو بھی فاقہ کی اطلاع کر دی۔ اسی طرح ہمارے استاد علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ کے یہاں ایک بار مولانا گنگوہی مہمان ہوئے۔ اسدن ان کے یہاں فاقہ تھا انھوں نے بے تکلف مولانا سے عرض کر دیا کہ آج میرے یہاں تو فاقہ ہے اور قرض کو جی نہیں مانتا اگر آپ فرمائیں تو بعض لوگ آپ کی دعوت کرنے کے مشتاق یہاں موجود ہیں ان میں سے کسی کو دعوت کی اجازت دیدوں مولانا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں تو تیرا مہمان ہوں اگر تیرے یہاں فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کرونگا چنانچہ شام تک مولانا کا بھی فاقہ رہا مغرب کے قریب ایک آدمی گاؤں سے آیا اور حکیم صاحب کو

گیا وہ پھر دیکھا گیا کیونکہ اسکا کوئی عزیز حکیم صاحب کے علاج سے اچھا ہو گیا تھا حکیم صاحب وہ روپے لیکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت آپکی برکت سے خدا تعالیٰ نے یہ روپے بھیجدیئے ہیں اب میں عمدہ کھانا پکواؤنگا حضرت نے منع فرمایا کہ بھائی تکلف مت کرو مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ حضرت دن بھر تو فاقہ رہا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھاویں غرض عشاء کے وقت تک پلاؤ وغیرہ بہت عمدہ تیار کرا دیا۔ تو میزبان کو ایسا ہی بے تکلف ہونا چاہیئے مگر مہمان کو زیادہ بے تکلف نہ بننا چاہیئے کہ لگیں طرح طرح کی فرمائشیں کرنے دوسرے یہ کہ میزبان اگر تکلف ہی میں رہے تو کب تک رہے گا تم نے آج دو آدمیوں کے واسطے اُدھار قرض کر لیا روز روز کس کس کیلئے اُدھار کرتے پھرو گے کیونکہ آنیوالوں کی عادت یہ ہے کہ جس شخص کو زیادہ مہمان نواز دیکھتے ہیں اُسکے یہاں بار بار آمد و رفت رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ غریب تنگ آجاتا ہے مہمان بننے والوں کو اسکی ذرا فکر نہیں ہوتی کہ میزبان غریب پر کیا گذر رہی ہے اسلئے مجھے ایسے شخص پر بہت رحم آیا کرتا ہے جو مہمان نوازی میں بیا مشہور ہو۔ اسکے یہاں بعض لوگ محض کھانے ہی کے واسطے پڑے رہتے ہیں دنیا میں ایسے بیحیا بھی بہت ہیں۔ تھانہ بھون میں ایک ملا تھا اُس بیچارہ کے یہاں مہمانوں کی کثرت رہتی حتیٰ کہ اُسے اودھار قرض کرنا پڑتا تھا اُس نے مجھ سے شکایت کی میں نے کہا کہ تم مہمانوں کے لئے نہ کچھ اہتمام اور انتظام کیا کرو اور نہ انکو جواب دیا کرو بس جتنی روٹیاں تمہارے پاس ہوا کریں وہی سب کے سامنے رکھدیا کرو چاہے کسی کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے ادھار قرض کرکے ہرگز نہ کرو جب لوگ بھوکے رہیں گے خود ہی آنا چھوڑ دیں گے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا تب اُسکا پیچھا چھوٹا۔ تو یہ آنیوالے مہمان اسکی کچھ پروا نہیں کرتے کہ جسکے یہاں ہم جاتے ہیں اسپر کیا گذر رہی ہے اُنکو تو اپنے کھانے سے کام۔ دوسرے کی کیا فکر۔ بلکہ بعض لوگ تو سفر ہی اسی واسطے کرتے ہیں تاکہ چند روز عمدہ عمدہ کھانے ملیں گے جیسا کانپور میں ایک طالب علم تھے وہ کہا کرتے کہ جو لوگ فارغ ہو کر دستار بندی کرا لیتے ہیں بڑے بیوقوف ہیں کیونکہ پھر مدرسہ کی روٹیاں نہیں ملتیں اسی لئے ہم تو اتنے عرصہ سے مدرسہ میں پڑے ہیں مگر نور الانوار سے آگے نہیں بڑھتے تاکہ فراغت کے بعد روٹیاں بند ہو جاویں تو اس بندۂ خدا کو پڑھنے سے بھی روٹیاں ہی مقصود تھیں مثل مشہور ہے کہ کسی طالب علم سے کسی نے پوچھا

دو اور دو کتنے ہوتے ہیں کہا چار روٹیاں وہ بھی کوئی ایسا ہی بندۂ شکم ہوگا جسکو پڑھنے پڑھانے سے روٹیاں ہی مقصود ہونگی۔ اسی طرح ایک بسیار خوار سے کسی نے پوچھا کہ تمکو قرآن کا کونسا مضمون یاد ہے کہنے لگا دو آیتیں ایک احکام کی ایک دعا کی۔ احکام میں کلوا واشربوا۔ اور دعا میں ربنا انزل علینا مائدۃً من السماء سو بعضے مہمان بھی ایسے ہوتے ہیں اسلئے میں کہہ رہا تھا کہ میزبان کو بے تکلف ہونا چاہیئے کہ جو موجود ہو سامنے رکھدے اور اگر کچھ نہو تو مہمان کو فاقہ کی اطلاع کردے۔ خواہ مخواہ دوسروں کیلئے قرض نکرے۔ قرض سے بڑی پریشانی ہوتی ہے قرض لینا جائز ہے اگر بضرورت ہو اور پریشانی نہو مگر پریشانی میں طبائع مختلف ہیں بعض لوگوں کو قرض سے پریشانی نہیں ہوتی اور بعض کو بہت پریشانی ہوتی ہے حضرت مولانا گنگوہی رح اپنی وصیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ پر کبھی قرض نہیں ہوتا سو وہ تو قرض سے اتنا بچتے تھے کہ وصیت میں بے تکلف لکھ گئے کہ میرے قرض ادا کرنیکی کوئی فکر نکرے مجھپر قرض ہوتا ہی نہیں۔ اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب پر قرض ہوتا تھا یہانتک کہ وصال کے وقت مولانا کے ذمہ کئی ہزار روپے قرض تھے جو ایک ہی خادم نے تنہا ادا کردیئے تو بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں خوب کہا ہے۔ ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است
بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر بعلم آئیم ما ایوان اوست
ور بجہل آئیم ما زندان اوست

گر بخواب آئیم مستان وییم
ور بہ بیداری بدستان وییم

در تو و ہر کہ او آشفتہ است
حق بگوشش او معما گفتہ است

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ مدیون کی روح دین کی وجہ سے معلق رہتی ہے جنت میں داخل نہیں ہونے پاتی۔ وہ اسپر محمول ہے کہ قرض بلا ضرورت ہو اور ادا کا قصد نہو اور اگر بضرورت ہو اور ادا کا پختہ قصد ہو تو اُسکے لئے وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ یا تو اُسکا قرض دنیا ہی میں ادا کردیں گے ورنہ آخرت میں دائن سے معاف کرا دینگے اسی لئے بعض اہل اللہ قرض پر بہت جری ہوتے تھے حضرت شیخ احمد خضرویہ رح بہت مقروض تھے مگر ایسے ہی آمدنی

بھی بہت بھی لوگ معتقد تھے نذرانے بہت آتے تھے اسلئے کوئی شخص قرض دینے سے انکار نہ کرتا تھا جب وہ مرنے لگے تو سب لوگوں کو اپنے اپنے روپیہ کی فکر ہوئی اور انھوں نے گھیرا کر تقاضا شروع کیا کہ آپ تو مر رہے ہیں ہماری رقم کہاں ہے آپ خاموش ہو کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے۔ فرمایا خدا پر نظر دکھواتے تنے میں ایک حلوائی کا لڑکا حلوا بیچتا ہوا سامنے سے گذرا آپ نے اُسے بلایا اور سارا حلوا خرید کر لوگوں کو کھلا دیا لڑکے نے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ لوگ بھی اپنے دام ہی مانگ رہے ہیں تو بھی ان کی ساتھ بیٹھ جا یہ سنکر لڑکے نے رونا شروع کیا کہ ہائے مجھے تو میرا باپ مار ڈالیگا لڑکے کے رونے کو دیکھکر سب لوگوں کو شیخ پر غصہ آیا کہ بھلا ان بزرگ کو مرتے مرتے بھی قرض کرنیکی کیا ضرورت بھی مگر انکو کیا خبر تھی کہ انھوں نے قرضخواہوں کی ضرورت سے یہ کام کیا تھا تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ کسی امیر کا ایک خادم ایک سینی میں اشرفیاں لیکر حاضر خدمت ہوا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ فلاں امیر نے یہ ہدیہ خدمت والا میں ارسال کیا ہے آپنے اسے قبول فرمایا دیکھا تو بالکل قرض کے برابر تھا اسی وقت آپ نے سب قرضہ ادا فرما دیا۔ اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے کہ واقعی مقبول بندے ہیں کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپنے حلوائی کے لڑکے کا حلوا بلا ضرورت کیوں خرید فرمایا تھا اس سے تو بڑی ذلت ہو رہی تھی فرمایا کہ یہ سارے قرضخواہ جب یہاں آکر بیٹھے ہیں سنے دعا کی ارشاد ہوا کہ ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں مگر اسوقت کوئی رونے والا ہونا چاہئے اور ان میں کوئی رونے والا ہے نہیں میں نے یہ رونے کی ترکیب کی تھی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تا نہ گرید کودک حلوا فروش — بحر بخشائیش نمی آید بجوش
تا نگرید طفل کے جوشد لبن — تا نگرید ابر کے خندد چمن
گر تو خواہی کز بلا جان وا خری — جان خود را در تضرع آوری
در تضرع باش تا شاداں شوی — گریہ کن تا بے دہان خنداں شوی

پھر فرماتے ہیں ؎

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

اس شعر میں اکبر حسین جج مرحوم نے لطیفہ کیا وہ کہتے ہیں ؎

در پس ہر لکچر آخر چندہ ایست — مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

وہ کہتے تھے کہ مولویوں کے وعظ تو سیکڑوں ایسے سُنے ہونگے جو چندہ کے ذکر سے خالی ہوں گے مگر لکچر ایک بھی ایسا نہ ہوگا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرض سے پریشانی ہونے میں طبائع مختلف ہیں بعض لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوتی۔ لہذا ایسے لوگوں کو قرض کرنا جائز ہے۔ غرض اسراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مصرف تو جائز ہے مگر اُنمیں خرچ کرنے سے گناہ پیدا ہو سکتے ہیں تو جہاں مصرف جائز سے بھی گناہ میں مبتلا ہونیکا اندیشہ ہو اسکو بھی اسراف کہا جائیگا اور جسکو یہ اندیشہ نہ ہو اسکے لئے وہ اسراف نہیں۔ اسپر ایک حکایت اور یاد آئی حافظ محمد یوسف صاحب بھالوی نے بیان فرمایا کہ بھوپال میں ایک مرتبہ سنتیں پڑھتے ہوئے سخت بارش آگئی سب لوگ نماز توڑ توڑ کر کوئی جلدی جلدی پوری کر کے اندر بھاگ گئے مگر ایک شخص جو نہایت عمدہ قیمتی لباس پہنے ہوئے تھے اطمینان سے نماز پڑھتے رہے یہانتک کہ اونکا قیمتی لباس سب بھیگ گیا مگر انھوں نے اسکی ذرا پروا نہیں کی میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے اپنے کپڑے خراب کر لئے نماز مختصر کر کے اندر کیوں نہ آگئے۔ کہا مجھے خدا نے کپڑے بہت دئے ہیں میں گھر جا کر دوسرا جوڑا بدل لونگا لیکن دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض کپڑوں کی خاطر میں نماز کو مختصر کروں۔ اس شخص کو قیمتی کپڑا پہننا جائز تھا کہ اُسکی وجہ سے نماز میں قلب ذرا مشغول نہوا اور ایسے لوگو نکو اجازت نہیں جنکی یہ حالت ہے کہ جب عمدہ کپڑا پہنتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا خیال نہیں رہتا کپڑونکی وجہ سے نماز برباد کر دیتے ہیں بعض لوگ عمدہ لباس پہنکر ایسے تکلف سے نماز پڑھتے ہیں کہ جب تک اُن کے پاس والا آدمی کھڑا نہو جائے اسوقت تک وہ نہیں اٹھتے یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نہو ہمارا کپڑا دوسرے آدمی کے نیچے دبجائے اور اٹھتے ہوئے چھر چھر ہو جائے اسلئے وہ بعد میں اُٹھتے ہیں تو اُن کی ساری نماز کپڑے ہی کے سنبھالنے میں ختم ہو جاتی ہے ان لوگوں کو قیمتی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جو اُن کو اچھا معلوم ہوا آپ نے قینچی منگا کر

اسکی دونوں آستینیں کاٹ ڈالیں لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہنکر اپنے کو اچھا لگا اور جسوقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اسوقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اسلئے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تاکہ اسپر نظر نہ رہے سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہوتی تھی اور اگر کبھی اسکا شبہ ہوتا تھا تو فوراً ہی اسکا علاج کر لیتے تھے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کسی جگہ سے ایک آئینہ بہت قیمتی ہدیہ میں آیا حضرت شیخ کنگھی کرتے ہوئے اسے سامنے رکھ لیتے تھے۔ ایکمرتبہ خادم ہاتھ میں آئینہ لئے آتا تھا اتفاق سے گر کر ٹوٹ گیا خادم کو خوف ہوا کہ دیکھئے آج خفگی ہو اس نے آکر عرض کیا ؎ از قضا آئینۂ چینی شکست ۔ آپنے فوراً جواب دیا ؎ خوب شد اسباب خود بینی شکست ۔ معلوم ہو گیا کہ شیخ کے دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا جب تک موجود رہا خدا کی نعمت سمجھکر استعمال کرتے رہے جب ٹوٹ گیا تو دل پر ذرا بھی گرانی نہ تھی اس حالت میں آپ کو قیمتی سے قیمتی سامان رکھنا بھی جائز تھا اسے اسراف نہ کہا جائیگا اور جسکو قیمتی سامان سے تعلق اور لگاؤ ہو جائے اسکے لئے ایسا سامان اسراف میں داخل ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخ بعض دفعہ ایک مرید کو خوش پوشاکی پر زجر فرماتے ہیں اور دوسرے کو کچھ نہیں کہتے۔ اسکا منشا یہی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اسکے قلب کو اس سے لگاؤ ہوتا ہے اور دوسرے کے قلب کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہو گیا مگر کچھ مضائقہ نہیں بہت سے کار آمد مضامین بحمد اللہ بیان ہو گئے۔ میں یہ بتلا رہا تھا کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ؕ ایسی عام حکمت ہے جو طلاق کے علاوہ تمام احکام میں جاری ہے چنانچہ اسراف اور بخل میں بھی یہ حکمت جاری ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔ دشمنی اور دوستی کیلئے بھی شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے اور اسمیں بھی اس حکمت کا جریان بہت واضح ہے۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ حضور کی تعلیم ہے احبب حبیبک ھوناً ما عسی ان یکون بغیضک یوماً ما وابغض بغیضک ھوناً ما عسی ان یکون حبیبک یوماً ما

یعنی دوست کی ساتھ دوستی اعتدال کے ساتھ کرو۔ شاید وہ کسی وقت تمھارا دشمن ہوجاوے تو تمھارے سارے راز معلوم ہونیکے سبب تمکو ضرر پہونچاوے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت دوست ہوجاوے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوے حجاب نہو میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقلا، جمع ہوجاویں تو اس ذات پاک کی برابر ہرگز حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے دوستی اور دشمنی کی کیسی حد بتلادی کہ دوستی ایسی کرو کہ اگر وہ کسی وقت دشمن ہوجاوے تو تمکو پریشانی نہو۔ اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اگر کسی وقت دوست ہوجاوے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے ندامت نہو یہ وہی حکمت ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا کہ دوستی اور دشمنی کرتے ہوئے یہ سوچ لیا کرو کہ شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ پھر نادم ہونا پڑے تو اسی وقت اسکی رعایت کرلینی چاہئے۔ کیا کوئی حکیم ہے جسکی باتوں میں ایسی حکمتیں ہوں ہرگز نہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہماری دوستی کی کوئی حد ہے نہ دشمنی کی۔ دوستی کریں گے تو ایسی کہ دوست کو بھائی اور اولاد سے بھی بڑھا دیں گے بھائی سے تو روپے پیسے کا بھی حساب ہوتا ہوگا اور دوست سے کسی چیز کا حساب نہیں وہ جو چاہے کرے۔ پورا خود مختار ہے۔ اسکے سامنے اپنے سارے راز بیان کردیتے ہیں حتی کہ خاندانی جھگڑے بھی سب اسکے سامنے کھول دیتے ہیں۔ عزیزوں سے تو کچھ پردہ بھی ہوتا ہے مگر دوستوں سے کسی بات کا پردہ ہی نہیں ہوتا جسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ دشمنی پر آمادہ ہوگیا تو ان حضرت کے سارے راز ظاہر کردیگا۔ میں کہتا ہوں کہ دوستوں سے اپنے خاص راز ہرگز ظاہر نکرو۔ پیر سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہوتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ پیر سے بھی وہی راز ظاہر کرے جنسے اصلاح کا تعلق ہو۔ باقی راز مت ظاہر کرو شاید کوئی یہ کہے کہ کیا پیر بھی دشمن ہوسکتا ہے اگر اسمیں ایسا احتمال ہو تو پھر وہ پیر بننے کے لائق ہی نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دشمن نہوا تو شاید تم دشمن ہوجاؤ۔ اور اسکا آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بعض لوگ ایک عرصہ تک کسی کے معتقد تھے مگر پھر کسی بات پر پیر کے دشمن ہوگئے کیونکہ وہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ افسوس یہ ایک تعلق ایسا تھا جسکو تمام تعلقات سے قوی سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں اسکے لئے بھی بقا نہیں بس جب تک پیر سے کوئی بات اپنی

طبیعت کے خلاف صادر ہوا اسوقت تک تو وہ پیر ہے قطب ہے اور بڑا ولی ہے اور جس دن مرید کی طبیعت کے خلاف کوئی بات اُس سے ظاہر ہوئی گو وہ شریعت کی بالکل مطابق ہو مثلاً اُس نے زجر و تنبیہ کے طور پر مرید کو اپنے یہاں سے نکالدیا یا مجمع عام میں اُسکو برا بھلا کہدیا اب یہ حضرت پیر کے بھی دشمن ہوگئے اور اُسکے خاندان کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ پیر کا دشمن ہوجانا اگر بعید معلوم ہوتا ہے تو آپکا دشمن ہوجانا کچھ بھی بعید نہیں۔ تو اسی خیال سے آپ سارے راز اُسکے سامنے ظاہر نہ کیجئے کہ نہ معلوم ہم آج اُن کے معتقد ہیں کل کو ہم کیسے ہونگے اُسوقت افسوس کرنا پڑیگا۔ ہم نے بے ضرورت اپنے اسرار پر کیسی کو کیوں مطلع کردیا۔ دوسرے پیر بھی آخر بشر ہے اگر وہی دشمن ہوجاوے تو کیا محال ہے حضرت مولانا گنگوہی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے اُستاد الاستاد فرماتے تھے کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھو کیونکہ اکثر رنج و غم کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہمکو کسی سے امید تو اور کچھ اور اُس سے برتاؤ اور کچھ ظاہر ہوا۔ پھر مولانا گنگوہی رحمہ نے فرمایا کہ بھائی میں کہتا ہوں کہ تم مجھسے بھی امید نہ رکھو۔ اللہ اکبر یہی تو اہل اللہ کی علامت ہے کہ وہ معاملات میں اپنے کو بھی دوسروں کی برابر سمجھتے ہیں چنانچہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ صحابہ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی حدیث میں ہے کہ ایکبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لیگئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم أأدخل فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہمکو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہوگئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آج کل تو کوئی ایسا کرکے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کردیں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور کو ذرا بھی ناگواری نہیں ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں آنیکی اجازت دے یا نہ دے اور استیذان کا یہ قاعدہ زنانہ مکان میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آج کل تو مسلمانوں نے

اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اسپر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انھوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جسمیں اسی واسطے بیٹھتے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کیلئے نہیں بیٹھتے مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں یا کواڑ بند ہیں تو اسمیں بدون استیذان کے داخل نہونا چاہئے خوب سمجھ لو اسمیں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لیچلے اور حضرت سعد نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لیجانیکے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہو گئے کیونکہ شرعی قانون اسکے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کیلئے بھی جاری فرمایا اسی طرح حدیث میں ایک اور واقعہ حضرت بریرہ کا ہے کہ جب وہ آزاد ہو گئیں اور شرعی قاعدہ سے اُن کو اختیار دیا گیا کہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (جس سے غلامی کی حالت میں نکاح ہوا تھا) نکاح باقی رکھیں یا فسخ کر دیں اور انھوں نے اس اختیار کی بناء پر فسخ نکاح کو اختیار کیا تو اُن کے پہلے شوہر کو بہت رنج ہوا کیونکہ انکو بریرہ سے محبت تھی اور حضرت بریرہ کو اُن سے نفرت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے شوہر کی حالت کو دیکھکر بریرہ سے فرمایا کہ اگر تم مغیث سے نکاح کر لو تو اچھا ہے حضرت بریرہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ حضور نے فرمایا کہ حکم نہیں محض مشورہ ہے تو انھوں نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بریرہ کے اس جواب سے مطلق ناگواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ مشورہ کا قانون یہی ہے کہ دوسرے شخص کو اُسپر عمل کرنے یا نہ کرنیکا پورا اختیار ہوتا ہے لیکن آج کل تو اس قاعدہ پر کوئی عمل کر کے دیکھے کہ پیر صاحب کوئی مشورہ دیں یا کسی کی

سفارش کریں اور مرید یہ مانے تو پھر دیکھئے کیا حال ہو۔ لیکن شرعاً اسپر کوئی ملامت نہیں کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں تھا تو پیر صاحب کے مشورہ پر عمل کرنا کہاں سے واجب ہو گیا تو حضرت مولانا رحمہ کا اتباع سنت ملاحظہ ہو کہ اس قاعدہ کلیہ میں اپنے کو بھی داخل فرمایا خلاصہ یہ کہ احبب حبیبک الخ سے بزرگوں نے اپنے کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ پس اس بنا پر بجز خاص اسرار کے جنکو صلاح حال میں دخل ہو باقی اسرار پیر سے بھی نہ کہو۔ بس یہ قاعدہ سبکو عام ہے۔ احبب حبیبک ھوناً ما عسیٰ ان یکون بغیضک یوماً ما وابغض بغیضک ھوناً ما عسیٰ ان یکون حبیبک یوماً ما یہ تو دوستی کی حالت کا بیان تھا کہ حد سے بڑھ جاتے ہیں اسی طرح ہماری حالت دشمنی میں یہ ہے کہ اسمیں بھی حد سے نکل جاتے ہیں کہ بس جس سے عداوت ہو گی اسکی ایذا رسانی میں کسر نہیں رکھتے۔ ہر ممکن طریقہ سے اسکو ضرر پہونچاتے ہیں خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا خلاف حلال و حرام کی بھی ذرا تمیز نہیں رہتی لہذا اس حدیث میں دشمنی کی بھی حد بتلادی۔ کیا ٹھکانا ہے انتظام کا کہ حق تعالیٰ نے کفار تک کے ساتھ عداوت کرنے کیلئے بھی قوانین مقرر فرمائے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ط واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ٥ (ترجمہ) اور تمکو کسی قوم کی عداوت جو اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے تمکو مسجد حرام سے روکدیا ہے اس بات پر برانگیختہ نکرے کہ تم حد سے تجاوز کرنے لگو اور (ہمیشہ) نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ ندو اور (ہمیشہ) خدا تعالیٰ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو بیشک حق تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ دیکھئے صحابہ کی عداوت دینی تھی اور اسکا منشا بھی دین تھا کہ کفار نے مسجد حرام پر ناحق قبضہ کر رکھا تھا اور اسکے اندر نماز اور طواف کرنے سے مسلمانوں کو روکدیا تھا مگر اسمیں بھی حکم ہوتا ہے

کہ حدود سے مت نکلو گناہ اور ظلم نکرو نہ ان کاموں میں کسی کا ساتھ دو۔ اب اس ارشاد کو سنکر مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ دوستی اور دشمنی میں حدود سے کتنا تجاوز کرتے ہیں آج کل ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو دین کیلئے کسی سے دوستی اور دشمنی کرتے ہوں ہماری دوستی اور دشمنی سب دنیا کے واسطے ہے پھر اگر شاذ و نادر کسی کو کسی سے دین کے واسطے بھی دشمنی ہو تو اسمیں حالت یہ ہے کہ دشمنی میں حدود سے اتنا تجاوز کرتے ہیں کہ دین بھی برباد ہوجاتا ہے۔ پرائے شگون کو اپنی ناک کٹانا اسی کا نام ہے کہ دوسروں کی دنیا برباد کرنے کیلئے اپنا دین خراب کرتے ہیں آج کل دشمنی میں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ دوسرے کو ضرر پہونچ جاوے چاہے اپنے کو کچھ نفع ہی نہو بلکہ خواہ اپنے کو اس سے بڑھکر ضرر پہونچ جاوے اور اسمیں راز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے جذبات نفسانیہ کو عقل و شرع کے تابع نہیں کرتے۔ بلکہ خود عقل و شرع کو جذبات کے تابع بنانا چاہتے ہیں، اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جذبات نفسانیہ کو احکام الٰہی کا تابع بناؤ۔ چنانچہ ہجرت کے قبل جہاد مشروع نہ ہونے کا نکتہ محققین نے یہی فرمایا ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی اسلئے اجازت نہوئی کہ اسوقت تک مسلمانوں کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہوئی تھی مسلمانوں کی اصلاح تدریجاً ہوئی ہے۔ دفعۃً نہیں ہوئی اور یہ ایسی بات ہے جسکا انکار وہی کرسکتا ہے جس نے احادیث و آیات میں تامل نہ کیا ہو ورنہ نصوص میں غور کرنیکے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے من قال و اللات والعزیٰ فلیقل لا الٰہ الا اللہ ومن قال تعال اقامرك فلیتصدق یعنی جس شخص کی زبان سے لات و عزیٰ کی قسم نکل جاوے اسکو لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ اور جسکی زبان سے یہ کلمہ نکل جاوے کہ آؤ جوا کھیلیں اسکو صدقہ کرنا چاہیے دیکھیے آج کل اگر کوئی لات و عزیٰ کی قسم کھالیوے تو اسپر کفر کا اندیشہ ہے۔ مگر اسوقت چونکہ صحابہ تو مسلم تھے جو چند روز پیشتر ان کلمات کے عادی تھے تو حضور نے فرمایا کہ اگر عادت سابق کے موافق ایسے کلمات زبان سے نکل جاویں تو کلمہ توحید

پڑھ لینا چاہیے اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابتدار اسلام میں جاہلیت کا کچھ اثر باقی رہجانا مستبعد نہیں چنانچہ اسی بنا پر یہ تعلیم فرمائی گئی تھی پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرات صحابہ کی اصلاح کی تکمیل تدریجاً ہوئی ہے۔ اسی لیے اُن کو مکہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ اسوقت جہاد میں نفس کی آمیزش ہوتی اخلاص نہوتا۔ اور بدون اخلاص کے دینی کامیابی کا نہونا تو ظاہر ہی ہے مگر مسلمان کو دنیوی کامیابی بھی بدون اسکے نہیں ہوتی۔ اخلاص کے باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ اور حدیث میں ہے یؤتیٰ بالشہید یوم القیمۃ کہ قیامت کے دن شہید کو بلایا جاویگا اور اپنی نعمتیں یاد دلاکر اس سے پوچھا جائیگا کہ ہمارے واسطے تو نے کیا کیا وہ عرض کریگا کہ میں نے آپ کے راستہ میں اپنی جان دی اور کفار سے جہاد کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے ہمارے واسطے جان نہیں دی بل لیقال انک جرئ بلکہ اسلیے سب کچھ کیا تاکہ لوگ تجھے بہادر کہیں کہ بڑا جوانمرد ہے کسی سے نہیں ڈرتا حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے اظہار دیئے فقد قیل یعنی دنیا میں تیری بہت کچھ تعریف ہوچکی اور تیرا مدعا حاصل ہوگیا یہاں تیرے واسطے صرف جہنم ہے چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں کھینچکر لیجاؤ۔ تو حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ کو اس بلا سے بچالیا کہ جب تک اُن کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہوگئی اسوقت تک جہاد کی اجازت نہ دی اگر ابتدار اسلام ہی میں اجازت ہوجاتی تو بہت سے ناموری یا شفار غیظ کیلیئے جہاد کرتے اخلاص کے ساتھ محض رضار حق کیلیئے کام نہوتا۔ جب صحابہ کی تکمیل ہوگئی اور کفار کی ایذائیں سہتے سہتے اُن میں جذبات نفسانیہ کے دبانیکا ملکہ پیدا ہوگیا اُسوقت آپ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ اور مدینہ پہونچکر جہاد کی اجازت ہوئی۔ مکہ میں جہاد کی ممانعت کا سبب یہ نہ تھا کہ جماعت اہل اسلام کم تھی اگر یہ سبب ہوتا تو مدینہ پہونچکر بھی اجازت نہوتی کیونکہ وہاں پہونچکر بھی مسلمانوں کا مجمع کفار سے بہت ہی کم تھا اگر کم ہوتا تو ملائکہ کا جوڑ نہ لگایا جاتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں اکثر ملائکہ کا لشکر آیا

کرتا تھا جنکی برکت سے مسلمانوں کو غلبہ ہوتا تھا اور اگر قلت و کثرت عدد پر مدار ہوتا تو جنگ حنین میں جسمیں مسلمان زیادہ تھے مغلوب نہ ہوتے اور زیادتی بھی معمولی نہ تھی بلکہ کفار سے تین حصہ زیادہ تھے چنانچہ کفار چار ہزار تھے اور مسلمان بارہ ہزار اور زیادتی عدد کے ساتھ ایک اور خصوصیت بھی تھی وہ یہ کہ بارہ ہزار کے عدد میں ایک خاصیت نص میں وارد ہے کہ لن یغلب اثنا عشر الفا من قلۃ یعنی بارہ ہزار مسلمان قلت عدد سے ہرگز مغلوب نہ ہونگے تو تمام مقتضیات غلبہ کے موجود تھے مگر پھر بھی مغلوب ہو گئے معلوم ہوا کہ قلت عدد علت مشروعیت جہاد کا سبب نہ تھا اگر اسپر شبہ ہو کہ مسلمان تو اس سے زیادہ زیادہ مغلوب ہوتے ہیں چنانچہ حنین ہی میں مغلوب ہوئے اور کیا اسمیں کوئی قید نہیں یعنی اگر مقابل لاکھوں ہوں تب بھی یہ وعدہ ہے جواب خود اس حدیث ہی کی ایک قید سے نکلتا ہے وہ قید من قلۃ کی ہے یعنی قلت سبب مغلوبیت کا نہ ہوگا گو کوئی اور علت سبب ہو جاوے۔ چنانچہ حنین میں عجب سبب ہوا اس مغلوبیت کا۔ اور ظاہرا اسمیں اور کوئی قید نہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ بعد اذن بالقتال کے بھی تو بعضے مجاہدین نومسلم تھے اور اُن میں تمہارے بیان کے موافق غلبہ جذبات کا ہوگا تو ان کو جہاد میں کیوں شریک کیا گیا جواب یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ مخلوط جماعت میں اثر غالب عدد غالب کا ہوتا ہے اور جب جہاد شروع ہوا اُسوقت زیادہ تر جماعت کاملین کی تھی گو ان میں بعضے نومسلم بھی ہوتے تھے مگر غلبہ کاملین کو تھا اور فلاح و کامیابی کیلئے اتنا کافی ہے کہ زیادہ تر کام کرنے والے مخلص ہوں۔ اگر تھوڑے سے غیر مخلص بھی ہوں تو مغلوبیت کی وجہ سے کام خراب نہیں ہوتا۔ دوسرے جب غلبہ مخلصین کو ہوتا ہے تو ناقصین پر بھی اُن کا اثر پڑتا ہے کہ ان میں بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ غیر مخلصین کو ہوا اور مخلص قلیل ہوں تو اُسوقت معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کہ ان غیر مخلصین کی کثرت کا اثر مخلصین پر پڑتا ہے کہ اُن کا اخلاص بھی ناقص اور کمزور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کے اکثر کام پورے نہیں ہوتے کیونکہ غلبہ غیر مخلصین کو ہے اگر مخلصین کا غلبہ ہو تو بھرنا کا کبھی نہ ہو۔ اور صحابہ کے جذبات نفسانیہ کی یہاں تک اصلاح ہو گئی تھی کہ جب

کفار نے ان کو مکہ میں جانے سے روکا اسوقت وہ آپے سے باہر نہیں ہوئے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جمے رہے اگر ہم لوگوں کو کبھی ایسا واقعہ پیش آوے تو نہ معلوم جوش غضب میں کیا کچھ کر بیٹھیں غرض اصل مقصود اتباع احکام ہے اور دوستی اور دشمنی وہی قابل اعتبار ہے جو احکام شریعت کے موافق ہو بجز اتباع احکام کے بغیر نہ سلطنت مقصود ہے نہ ترقی اگر خالی سلطنت مقصود ہو تو فرعون سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جانا چاہیئے نعوذ باللہ منہ بس مسلمان کا اصل مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھے

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار ۝ بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

اگر دلیل شرعی سے خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ثابت ہو کہ گوہ کا ٹوکرا اٹھاویں اور خاموش رہیں تو ہماری فلاح اسی میں ہے جیسا کہ مکہ میں حضرات صحابہ کفار کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کرتے رہے اور اسی میں خوش رہے اور اگر اتباع احکام کے ساتھ ہمکو سلطنت بھی ملجاوے تو نور علیٰ نور ہے پس ہمکو نہ ترقی مقصود بالذات ہے نہ تنزل

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب ۝ کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

خدا کو راضی رکھکر اگر دنیا ملجائے تو مبارک ہے ورنہ ایسی تیسی اس دنیا کی جسمیں چند روز گلچھرے اڑا کر ہم جہنم کے کندے بنجاویں حیرت ہے کہ مسلمان مسلمان ہو کر رضائے الٰہی کے سوا کسی اور چیز کو مقصود سمجھے یہ تو دوستی اور دشمنی کے حدود تھے جو میں نے بیان کر دیئے۔ اب میں ترقی کرکے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال و مقامات تک کے لئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جنکو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ انکا ہر درجہ مطلوب ہو۔ یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارہ میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ انمیں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے انکا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں۔ اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ

امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کے لئے ہے کہ اُسکا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے جسکا ہر درجہ مطلوب ہے۔ اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و مقامات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اسواسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے ؏

قلم بشکن سیاہی ریزو کاغذ سوزو دم درکش حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد

حق تعالیٰ فرماتے ہیں قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثلہ مددا ؀ احکام الٰہی کی انتہا نہیں اسلئے نمونہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً شوق اور خوف کیلئے بھی حدود ہیں دیکھئے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللھم انی اسئلك شوقاً الی لقائك فی غیر ضراء مضرۃ و لا فتنۃٍ مضلۃ اگر شوق کیلئے حد نہیں ہے تو حضور نے یہ قید کیوں بڑھائی فی غیر ضراء مضرۃ و لا فتنۃٍ یعنی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے لقاء کا ایسا شوق عطا فرما جسمیں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو ضراء کا مقابلہ اضلال کے ساتھ مقتضی ہے کہ یہ کوئی دنیوی ضرر ہے یعنی بیماری وغیرہ پس معنی یہ ہوے کہ اس شوق میں مجھکو نہ کوئی بیماری لگے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنہ میں ابتلاء ہو سبات یہ ہے کہ غلبۂ شوق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک جسمانی ایک روحانی جسمانی اثر تو یہ ہے کہ کثرت شوق سے حرارت جسمانیہ بڑھجاتی ہے اور جب بدن میں حرارت کا غلبہ ہوتا ہے تو رطوبات جذب ہو جاتی ہیں جس سے بدن میں خشکی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جسکے لیے ضعف لازم ہے تو غلبۂ شوق سے بدن میں ضعف و اضمحلال بڑھجاتا ہے بعض دفعہ ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں تو پہلے نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکتے تھے اب قعود ہی رہگیا چند دنوں کے بعد قعود بھی دشوار ہو گیا پہلے روزے بہت رکھ سکتے تھے اب نہیں رکھ سکتے و علیٰ ہذا القیاس۔ نیز شوق کے غلبہ میں کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ جب کسی عزیز کے آنیکا انتظار ہوتا ہے تو عین کھانے کیوقت

خبر آمد سنکر بھوک جاتی رہتی ہے کھانا نہیں کھایا جاتا یہی حالت غلبۂ شوق لقا میں ہو جاتی ہے اہل شوق کو ایسے واقعات پیش آئے ہیں تو غلبۂ حرارت کے ساتھ جب غذا بھی کم ہو جاوے اب جتنا بھی ضعف ہو ظاہر ہے۔ تو آپ نے فی غیر ضراء مضرۃ میں ایسے غلبۂ شوق کی نفی کر دی کہ اے اللہ شوق کی وجہ سے میری صحت خراب نہو کیونکہ بعض اوقات حد قدرت کے اندر بھی عمل میں سستی ہونے لگتی ہے جس سے معصیت بھی ہوتی ہے یہ ضرر ہوا حد سے زیادہ غلبۂ شوق کا۔ دوسری خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبۂ شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آکر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اسوقت اس شخص کو گناہ نہو کیونکہ غلبۂ حال سے وہ بیخبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہو۔ پھر یہ شخص تو بیخبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اسکی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ اُن سے گمراہ ہو جاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند　　از سخنہا عالمے را سوختند

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنھوں نے آنکھوں پر پٹی باندھکر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا۔ نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہو جانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں۔ اسوقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور نے ولا فتنۃٍ مضلۃ میں اسکی بھی نفی فرما دی۔ کہ غلبۂ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہو جاؤں۔ اسی طرح خوف کے لئے بھی آپ نے ایک حد بتلائی ہے حدیث میں ہے واسئلك من خشيتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك اور اے اللہ میں آپکا اتنا خوف چاہتا ہوں جس سے گناہوں کے درمیان اور میرے درمیان رکاوٹ ہو جاوے اور اس قید کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ غلبۂ خوف سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے صفات جلال کے مشاہدہ سے صفات جمال یعنی رحمت و رأفت خداوندی کی طرف بالکل ذہن نہیں جاتا جس سے مایوسی کا پیدا ہونا لازمی ہے جب رحمت خداوندی سے

مایوسی ہوگئی تو کفر تک پہونچگیا۔ فانہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ اور اگر مایوسی بھی نہوئی تو تعطل کی نوبت آجاتی ہے سمجھتا ہے کہ جب ان اعمال سے کچھ کام نہیں چل سکتا تو یہ سب بیکار ہیں اب نماز روزہ سبکو بالائے طاق رکھدیتا ہے اس ورطہ میں بہت لوگ تباہ ہوگئے ہیں جو اولیا رستہلکین کہلاتے ہیں حضور نے ما تحول بہ بینی وبین معاصیک فرماکر بتلادیا کہ خوف کا ہر درجہ مطلوب نہیں صاحبو جب شوق خداوندی اور خوف الٰہی کے لئے بھی حدود ہیں تو اب باقی امور کو خود ہی سمجھ لیجئے کہ اُن کے لئے حدود کیوں نہونگے۔ شوق اور خوف میں لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراہ کا اجرار اس طرح ہوگا کہ زیادہ غلبۂ شوق کی تمنا نہ کرو کیونکہ شاید اس سے طاعات میں کمی ہوجاوے پھر تم پچھتاوگے یا ناز پیدا ہوگیا اور حد ادب سے نکلگئے تو پشیمانی ہوگی اور اگر شوق کے بعد اُنس عطا ہوگیا تو اسوقت تم ادب کرنا چاہوگے مگر عادت کی وجہ سے کلمات ناز زبان سے نکل جایا کرینگے تو گناہ بھی ہوگا پھر پچھتاوگے کہ ہائے میں نے اتنا شوق کیوں مانگا تھا۔ اسی طرح خوف میں سمجھ لیجئے۔ غرض باطنی امور میں بھی حدود ہیں لیکن ظاہری امور میں تو حدود اختیاری ہیں اُن سے خود بچنا چاہئے اور باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں اُن کیلئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور دعا کے فرمایا ہے۔ اللّٰھمّ انی اسئلک شوقاً الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ البتہ باطنی امور میں اتنی بات اختیاری ہے کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ اپنے لئے تجویز کرکے اسکی تمنا نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ پر تفویض کردے۔ امید ہے کہ یہ نمونہ تمام حدود کیلئے کافی ہوجائیگا۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمادیں (نوٹ) وعظ ختم ہونیکے بعد موذن نے فوراً وقت سے پہلے ہی اذان کہدی تاکہ سارا مجمع اسی مسجد میں نماز پڑھکر جاوے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بھی وہی بات ہے کہ لوگوں میں حدود کی رعایت نہیں موذن صاحب نے کثرت جماعت کا تو خیال کیا مگر یہ نہ دیکھا کہ ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا۔ وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

مختصر فہرست کتب موجودہ اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
اعمال قرآنی ہر حصہ -	۵/	فتاوی اشرفیہ حصہ دوم	۶/	مثنوی تحفۃ العشاق	۲/
اغلاط العوام فی باب الاحکام -	۱۰/	القول الصواب فی تحقیق مسئلۃ الحجاب	۱۰/	امداد السلوک	۵/
				ہدایۃ الشیعہ	۴/
الاستبصار	۱۰/	القول البدیع -	۲/	ہدایۃ المعتدی	۳/
اصلاح ترجمہ دہلویہ -	۲/	قصہ سیدنا یوسف ؑ	۵/	تحذیر الناس	۰۳/
اصلاح ترجمہ حیرت -	۱۰/	مکتوبات امدادیہ -	۳/	فیوض قاسمی	۳/
تنشیط الطبع -	۴/	یاد یاراں -	۳/	حجۃ الاسلام	۵/
تربیت السالک حصہ دوم	۵/	مواعظ التذکیر حصہ دوم	۶/	مباحثہ شاہجہانپور	۶/
تحقیق تعلیم انگریزی	۰/	حصہ سوم	۶/	المہند علی المفند	۵/
تعلیم الدین -	۸/	وعظ روح الارواح	۴/	براہین قاطعہ	عہ
حق السماع -	۲/	وعظ مواعظ اشرفیہ	۲/	تنزیہ الآلہ السبوح	۶/
حقوق العلم -	۵/	تنشیط الاذان	۱/	تفسیر سورۂ یوسف منظوم	۸/
الخطب الماثورہ	۲/	تنویر العیون ترجمہ سرور المحزون -	۲/	الابواب والتراجم -	۱۲/
خاتمہ بالخیر	شر			ادلہ کاملہ -	۱۰/
رد نملے مثنوی -	۲/	ذکر محمود	شر	مولوی معنوی	۵/
زاد السعید	۲/	ارشاد مرشد -	۱/	اظہار ید رین -	۲/
شجرہ طیبہ مع تعلیم الطالب	۱۰/	جہاد اکبر -	۱/	بہترین رسائل	۶/
طریقہ مولود شریف	۱/	دردنامہ غمناک	۰/	ارشاد السلوک	۵/
فروع الایمان	۲/	غذائے روح	۳/	تیسیر باری	۱۰/
فتاوی اشرفیہ حصہ اول	۴/	گلزار معرفت -	۲/	الاسلام	۴/